کتاب کے شروع میں مصنف کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ اور اس کے ناشر افتخار علی صاحب علوی کاکوروی کے قلم سے ایک مختصر تعارف ہے، مقدمہ میں مصنف کے حالات اور ان کے کلام کے پس منظر کے ساتھ شعر وادب کے متعلق بھی بعض مفید باتیں ملتی ہیں، مجموعی حیثیت سے زمزمہ الہام باسمی اور اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

"م"

الرای السدید فی نصب المجهار لصلوۃ الجمعۃ والعید — از مولانا عبدالقیوم صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۴۸، قیمت عمر

پتہ محمد عبدالجمیل، مہتمم دائرہ معارف اسلامیہ لطیفیہ، بالائے تلہ علی گڑھ۔

نماز میں آلہ اکبر الصوت کے استعمال کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے خود سائنس دانوں کے اس اختلاف کا نتیجہ ہے کہ اس سے سنی جانے والی آواز متکلم کی اصلی آواز ہے یا نہیں، فاضل مؤلف کی تحقیق میں آلہ کی مدد سے اور بغیر آلہ کے دونوں صورتوں میں متکلم کی اصل آواز نہیں سنائی دیتی، اس لیے ان کے نزدیک جب عام مقتدیوں تک امام کی آواز نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کا استعمال نہ صرف مباح بلکہ مستحب ہے، اس کے ثبوت میں انھوں نے جو دلائل لکھے ہیں وہ اصحاب افتاء کے لیے قابل غور ہیں، البتہ اس رسالہ کی قیمت زیادہ ہے۔

حکمت استخارہ - از جناب پروفیسر فضل احمد عارف ایم اے، چھوٹی تقطیع کاغذ معمولی، کتابت وطباعت اچھی صفحات ۲۰ قیمت ۳۰ نئے پیسے، ناشر مکتبہ رشیدیہ، باجوڑ ضلع ملتان

اس رسالہ میں استخارہ کی حقیقت، اسکی اہمیت، شرعی حیثیت، شرطیں مسنون طریقہ، تعداد موافق یا غیر موافق ہونے کی علامتیں، اس میں اور فال میں فرق کس معاملہ میں اسکو کرنا اور کس میں نہ کرنا چاہیے کے متعلق بڑی مناسب و مفید بحث کی گئی ہے، اور آخر میں استخارہ کے متعلق بعض بزرگوں کے طریقے بھی نقل کیے گئے ہیں۔

"ض"

جلد ۹۱، ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۶۳ء، عدد ۵

مضامین

شذرات

سہ لسانی فارمولا کمیٹی نے اسکی پوری وضاحت کر دی تھی کہ اس فارمولے کی رو سے ہندی اور انگریزی کے ساتھ تیسری زبان کوئی "جدید ہندستانی زبان" پڑھائی جانی چاہیے، جو کلاسکل نہ ہونی چاہیے، اور اسکی تعلیم کی مدت کم از کم مسلسل تین سال ہونی چاہیے، اور جہاں اس کا انتظام نہیں ہے وہاں جلد سے جلد انتظام کرنا چاہیے، اس وضاحت سے سنسکرت اور دوسری کلاسکل زبانیں خود بخود خارج ہو گئی تھیں، اس صوبے میں ہندی کے بعد تیسری عام اور مقبول زبان اردو ہے، جو ایک بڑے طبقہ کی مادری زبان بھی ہے، جس سے اسکے مخالفین بھی انکار نہیں کر سکتے، اس لیے عدل و انصاف اور اصول تعلیم دونوں لحاظ سے یہاں تیسری زبان اردو ہونی چاہیے، لیکن ہمارے صوبہ کی اردو نواز حکومت اسکو کب گوارا کر سکتی تھی، چنانچہ اس نے اردو کی جگہ سنسکرت کو دلانے کے لیے کمیٹی کے مقصد و منشا کے بالکل خلاف "جدید ہندستانی زبان" کے فقرے کو "ہندستانی زبان" سے بدل دیا اور اب اس صوبے میں تیسری زبان کی جگہ اردو کے بجائے سنسکرت کی تعلیم ہوگی۔

سنسکرت کی قدامت اور اسکی علمی و ادبی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن وہ مردہ زبان ہے، اسکے جاننے والے ہزاروں میں مشکل سے دو چار اور اسکے پڑھنے والے اس سے بھی کم نکلیں گے، جس کا وزیر تعلیم صاحب نے بھی اعتراف کیا ہے کہ دہ سنسکرت کی تعلیم پاتے ہیں اور طلبہ اردو پڑھنا چاہتے ہیں، اسکے علاوہ تعلیم کے ہر مرحلہ میں مختلف شکلوں میں سنسکرت کی تعلیم کا پہلے سے انتظام ہے، ایسی حالت میں اردو جیسی مقبول عام زبان کو چھوڑ کر اسکی جگہ سنسکرت کو دلانا نہ صرف صریح زیادتی بلکہ اصول تعلیم اور فارمولا کمیٹی کے منشا و مقصد سب کے خلاف ہے، اگر مرکزی حکومت سہ لسانی فارمولا کو یکساں طریقے سے پورے ہندستان میں رائج کرنا چاہتی ہے تو اس کو ریاستوں کو اس میں ترمیم کا حق نہ دینا چاہیے ورنہ اسکی رو سے اس صوبے میں اردو کی تعلیم کی جو گنجایش نکلی ہے، اس سے بھی ہمارے صوبہ کی حکومت اس کو محروم کر کے رہے گی۔

اس صوبے میں اردو کی تعلیم کی یہ آخری امید نظر آتی تھی، اگر صوبائی حکومت نے اسکو بھی ختم کر دیا جس کی پوری کوشش ہے تو پھر آیندہ اسکی کوئی صورت نظر نہیں آتی، لیکن اگر مرکزی حکومت اس میں مداخلت پسند نہیں کرتی تو خود اردو والوں کو پوری قوت سے تیسری زبان کی جگہ اردو کو دلانے کی کوشش کرنا چاہیے، یہ صریح زیادتی صرف اردو والوں کی بے بسی کا نتیجہ ہے، ورنہ جنوبی ہند والوں کی طرح وہ بھی اپنے مطالبات منوا کر رہتے، ہمیشہ مصلحت اندیشی اور صبر و سکون سے کام نہیں چلتا، کبھی کبھی ہمت و حوصلہ ناگزیر ہو جاتا ہے، اور جمہوری حکومت میں تو حق تلفی اور ظلم و زیادتی کے خلاف جد و جہد کرنا عین جمہوریت کی خدمت ہے، اسلیے نیا تعلیمی سال شروع ہونے سے پہلے اردو والوں کو اس کا حق دلانے میں اپنے تمام وسائل صرف کر دینے چاہئیں، ورنہ اگر ایک سال بھی سنسکرت رائج ہو گئی تو پھر اردو کو رائج کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

ہندستان میں اسلامیات کی تحقیقات کے اداروں کی بڑی کمی ہے، بعض یونیورسٹیوں کے اسلامک اسٹڈیز کے شعبوں کو چھوڑ کر پورے ملک میں دار المصنفین اور ندوۃ المصنفین کے علاوہ اس قسم کا کوئی ادارہ نہیں ہے، اسلامک اسٹڈیز کے شعبوں میں بھی یہ کمی ہے کہ ان میں اسلامیات کا ایک اہم پہلو دینیات کی تحقیقات شامل نہیں ہے، صرف جامعہ عثمانیہ میں تھا، اب معلوم نہیں اس کا کیا حال ہے، ابھی کچھ دن ہوئے ایک ادارہ "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" کے نام سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں قائم ہوا ہے، گو ابھی وہ ابتدائی منزل میں ہے، لیکن اس نے تھوڑے دنوں میں کئی مفید کتابیں شائع کی ہیں، اور یقین ہے کہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی رہنمائی میں وہ آیندہ ایک مفید ادارہ بن جائیگا، ان سب میں دار المصنفین ہی ایسا ادارہ ہے جس کا اپنا کتب خانہ ہے، اپنے مصنفین و اہل قلم ہیں، اپنا پریس ہے، اور اپنا دار الاشاعت ہے، یعنی ایک مکمل ادارے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ سب اس میں موجود ہیں۔

ابھی حال میں حکیم عبد الحمید صاحب دہلوی متولی "وقف ہمدرد دواخانہ دہلی" نے "انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے، اس کا خاکہ ہمارے پاس مشورے کے لیے آیا ہے، اس میں وہ سب کام شامل ہیں جو اسلامیات

کی تحقیقات کے اداے میں ہونے چاہئیں، حکیم صاحب کو امور خیر سے بڑی دلچسپی ہے، ان میں علمی خدمت کا بھی جذبہ ہے، ان کے پاس سرمایہ کی بھی کمی نہیں، اس لیے اگر اس ادارہ کو اچھے کارکن مل گئے تو یہ ایک مفید ادارہ بن سکتا ہے، دلی جیسے مرکزی مقام پر ایسے ادارے کی ضرورت بھی تھی، اس لیے ہم اس کا مسرت کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں.

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے نئے وائس چانسلر مسٹر بدر الدین طیب جی توقع سے زیادہ یونیورسٹی کے لیے مفید ثابت ہو رہے ہیں، چند دنوں کے اندر انھوں نے جو اصلاحات کی ہیں اور آیندہ جو اصلاحات اور علمی و تعلیمی منصوبے انکے پیش نظر ہیں، ان سے نہ صرف یونیورسٹی کا تعلیمی معیار بلند ہو جائیگا بلکہ وہ اسلامیات اور علمی تحقیقات کا بھی بڑا مرکز بنجائیگی، اور پورے ملک میں اس کا علمی و تعلیمی وقار قائم ہو جائیگا، مسلم یونیورسٹی محض شاندار عمارتوں، وسیع سبزہ زاروں، خوشنما کوٹھیوں، خوش لباس طلبہ اور جامہ زیب پروفیسروں کا نام نہیں ہے، بلکہ اسکی اصلی روح علمی و تعلیمی اور اس کی امتیازی خصوصیت اس کی اسلامیت ہے، اور یہ امر قابل اطمینان ہے کہ وائس چانسلر صاحب کی نظر ان سب پہلوؤں کی جانب ہے، وہ اس کی اسلامیت کے اظہار سے گھبراتے نہیں، بلکہ اپنی تقریروں میں برملا اس کا اعلان کرتے ہیں اور اس کو قائم رکھنا چاہتے ہیں، اس لیے توقع ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں یونیورسٹی میں جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں اور وہ جس غلط راستہ پر جارہی تھی، اس کی پوری اصلاح و تلافی ہو جائیگی اور وہ ملک و وطن اور دین و ملت سے متعلق اپنے فرائض بھی پوری طرح ادا کرے گی.

گذشتہ مہینہ محمد علی اکیڈمی لاہور کے تعارف میں اس کا ذکر کرنا رہ گیا تھا کہ اس کے بانیوں میں مولانا محمد علی مرحوم کے پہلے سوانح نگار مولوی رئیس احمد صاحب جعفری بھی ہیں، جو ماشاء اللہ اب نامور مصنف اور اہل قلم بن چکے ہیں، اس لیے امید ہے کہ جس کام کی انھوں نے ابتدا کی تھی اس کی تکمیل بھی انہی کے ہاتھوں سے ہوگی.

مقالات

اسلامی ہند کے نصف اوّل میں علوم عقلیہ کا رواج

از جناب شبیر احمد خاں صاحب غوری ایم اے، رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی، اترپردیش

(۲)

(۲) ترک و افغان حکومتیں

ترک و افغان حکومت کو بھی چند ذیلی ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے،

آل سبکتگین (غزنوی خاندان) | غزنوی سلطنت خراسان و ماوراء النہر کی سامانی حکومت کے کھنڈروں پر قائم ہوئی تھی،

۳۵۱ھ میں الپتگین جو عبد الملک بن نوح سامانی کا حاجب کبیر رہ چکا تھا، درباری سازشوں کے نتیجہ میں بغاوت کرنے پر مجبور ہوا، اس نے غزنی پہنچکر وہاں کے سامانی حاکم ابو علی انوک کو نکال دیا اور ایک مستقل حکومت قائم کی، ۳۵۲ھ میں اس کی وفات پر اس کا بیٹا ابو اسحٰق جانشین ہوا، اگلے سال اس نے بھی وفات پائی، اور اس کا جانشین بلکاتگین ہوا، دو سال بعد وہ بھی راہی ملک عدم ہوا، اور لوگوں نے امیر پری کو غزنی کا بادشاہ منتخب کیا، مگر اس کے ظلم و ستم سے لوگ بہت جلد بددل ہوگئے، اور سابق حاکم ابو علی انوک نے حملہ کر دیا، مگر سبکتگین نے جو ابو اسحاق کے زمانہ سے اپنی شہامت و شجاعت

کی وجہ سے ہر دلعزیز تھا، اسے شکست فاش دی، اس لیے لوگوں نے امیر ہری کے بجائے اسی کو غزنی کے تخت پر بٹھایا[۱]،

سبکتگین کی ظاہری کمزوری و مسکینی سے دھوکا کھا کر پنجاب کے راجہ جیپال نے ایک لشکر جرار کے ساتھ حملہ کیا، لیکن شکست کھائی اور تاوان جنگ کے وعدہ پر صلح کر کے واپس لوٹا، مگر لاہور آکر وعدہ خلافی کی، اس لیے سبکتگین نے حملہ کر کے اسے شکست فاش دی، اس کی فتوحات کا سلسلہ اور آگے بڑھتا، مگر اسے خراسان کی سیاست میں الجھنا پڑا جہاں فرقہ باطنیہ (اسماعیلیوں کی وسیع کاروں) سے انتشار برپا تھا، اس لیے اس نے اپنی توجہ باطنیہ خراسان کے استیصال پر مرکوز کر دی[۲]،

۳۸۷ھ میں سبکتگین نے وفات پائی، اور کچھ دن بعد محمود غزنی کے تخت پر بیٹھا، وہ بھی خراسان ہی کی سیاست میں الجھا رہا، مگر مشرقی سرحد پر ملتان کا قرمطی حکمراں داؤد علانیہ الحاد و بیدینی کی اشاعت کر رہا تھا، دوسری طرف مغربی سرحد پر خوارزم قرامطہ (اسماعیلیہ) کا گڑھ بنا ہوا تھا، اس طرح وہ دونوں طرف سے خطرے میں گھرا ہوا تھا، اس لیے پہلے اس نے ملتان کی طرف توجہ کی، مگر پنجاب کے ہندو راجاؤں نے جنھیں داؤد نے حلیف بنا لیا تھا، مزاحمت کی، اس پر محمود کو ان سے نپٹنا پڑا، اس کے نتیجہ میں ہندوستان کا شمالی مغربی حصہ غزنوی سلطنت کا مشرقی صوبہ بن گیا، جسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

۴۰۳ھ میں فاطمی خلیفہ مصر نے پھر مشرق میں باطنی (اسماعیلی یا قرمطی) انقلابی تحریک کی تنظیم کے لیے ایک سفیر روانہ کیا، مگر محمود نے اسے انتہائی بے عزتی کے ساتھ نکلوا دیا[۳]، اور دوسرے اسماعیلی سازشیوں کی نگرانی بھی شروع کر دی، ان میں سب سے اہم شیخ بو علی سینا تھا، جو نام نہاد "اسلامی فلسفہ" کا واضع ہے، وہ خوارزم میں اندر ہی اندر اس تحریک کو منظم کر رہا تھا، اس لیے

۱؎ زین الاخبار گردیزی ص ۴۴ ۲؎ طبقات ناصری ص ۸ ۳؎ تاریخ یمینی للعتبی ص ۲۹۶

محمود نے ابو العباس مامون والی خوارزم کو لکھا کہ وہ اپنے دربار کے فضلاء کو غزنی بھیجدے، اس طرح وہ ابن سینا کو غزنی میں نظر بند کرنا چاہتا تھا، البیرونی اور دیگر فضلاء تو خوشی سے غزنی روانہ ہو گئے، مگر ابن سینا نکل بھاگا، اور جرجان پہنچا[۱]، اور جب وہاں بھی محمود کے فرستادوں نے پیچھا نہ چھوڑا تو رے چلا گیا، جو مجد الدولہ بویہی کے زیر حکومت معتزلہ اور قرامطہ کا ایک اور گڑھ تھا[۲]، وہاں سے ہمدان پہنچا اور جتنے دن وہاں رہا فتنہ و فساد ہی کراتا رہا[۳]، آخر کار اصفہان پہنچا جہاں علاء الدولہ کاکویہ نے اس کی فتنہ پرور اور ہنگامہ آرا سرگرمیوں کی بدل و جان قدر کی، اسی کے یہاں ۴۲۸ھ میں اس نے وفات پائی[۴]،

۴۰۷ھ میں محمود کو خوارزم میں اس لیے مداخلت کا موقع مل گیا کہ درباریوں نے ابو العباس مامون کو، جو اس کا بہنوئی تھا، قتل کر ڈالا، اس لیے محمود نے خوارزم کو فتح کر کے جن لوگوں پر قرمطی ہونے کا ذرا سا بھی شبہہ تھا، سخت سزائیں دیں، تاریخ روضۃ الصفا میں ہے:

"شنیاتگین را با تو میکہ در تہییج فتنہ سعی کردہ بودند بفرمود تا بجلی برکشیدند...... و جمعے امیر از ابعز نین فرستادہ محبوس گردانید و بعد از چند گاہ ہمہ را بخشیدہ در زمرہ متجندہ روانہ ہند ساختند[۵]"

ان ہی معتوبین میں ابو ریحان البیرونی بھی تھا، جسے وہ اپنے ہمراہ ہندوستان لے گیا، جہاں اس نے سنسکرت زبان اور ہندو علوم میں تبحر حاصل کیا،

۴۲۰ھ میں محمود نے رے کو بھی فتح کر لیا اور بقول ابن الاثیر،

وصلب من اصحابہ (اصحاب مجد الدولہ) الباطنیۃ خلقاً کثیراً ونفی المعتزلۃ الی

اور مجد الدولہ کے متوسلین میں سے باطنیوں کی کثیر تعداد کو پھانسی پر چڑھایا، اور معتزلہ کو خراسان کی طرف جلا وطن کیا، فلسفہ.

۱؎ چہار مقالہ گب میموریل ایڈیشن ص ۷۶، ۸۰، ۲؎ سرگذشت ابن سینا مرتبہ سعید نفیسی ص ۹ ۳؎ ایضاً ص ۴۱ ۴؎ ایضاً ص ۹۰، ۵؎ روضۃ الصفا ج ۴ ص

خراسان واحرق کتب الفلسفة ومذاهب الاعتزال والنجوم و اخذ من الکتب ماسوی ذلک فائة حمل[1]

اعتزال اور نجوم کی کتابوں کو جلا دیا اور باقی کتابوں کے سو گٹھر (غزنی) لے گیا،

محمود نے اس علاقے کی حکومت اپنے بیٹے مسعود کو تفویض کی جس نے یہاں کے انتظام سے فارغ ہوکر اصفہان پر فوج کشی کی، اس جنگ میں علاء الدولہ ابن کاکویہ کی بہن گرفتار ہوکر آئی، جس سے علاء الدولہ بہت پریشان ہوا، مگر بوعلی سینا نے حکمت عملی سے کام لیکر مسعود سے کہلا بھیجا کہ یہ شہزادی آپ کی ہم مرتبہ (کفو) ہے، آپ اس سے شادی کرلیں، علاء الدولہ اصفہان آپکے سپرد کردے گا، اس تدبیر سے مسعود نے اس سے شادی کرلی،[2]

۴۲۱ھ میں محمود نے وفات پائی اور کچھ دن بعد مسعود تخت پر بیٹھا، اس نے ابوسہل حمدونی کو عراق میں اپنا نائب مقرر کیا اور علاء الدولہ کو اصفہان کا منشور ولایت بخشا،[3] مگر کچھ دنوں کے بعد اس نے خودمختاری کا دعویٰ کردیا، مسعود نے لکھا کہ اگر وہ اس حرکت سے باز نہ آیا تو اس کی بہن لشکر کے رندوں کے سپرد کردیجائے گی، علاء الدولہ کو پھر تشویش ہوئی، مگر بوعلی سینا کے مشورے سے لکھ بھیجا کہ بیوی تو وہ تمہاری ہی ہے، اس کی بیعزتی کی شرم بھائی سے زیادہ شوہر کو آنی چاہئے، اس پر مسعود نے اسے عزت و احترام کے ساتھ اس کے میکہ بھیجدیا،[4]

ابوسہل حمدونی نے جو مسعود کی جانب سے علاء الدولہ کی تادیب پر مامور تھا، لشکر کشی جاری رکھی اور علاء الدولہ کو ہزیمت پر ہزیمت ہوتی رہی، ان مسلسل جنگوں کا علمی سانحہ یہ تھا کہ نہب و غارت کے سلسلے میں بوعلی سینا کی بہت سی تصانیف بھی اس کے گھربار کے ساتھ لٹ گئیں،

[1] کامل لابن الاثیر جلد ۹ ص ۱۳۶ [2] تتمہ صوان الحکمۃ للبیہقی [3] روضۃ الصفا جلد چہارم [4] تتمہ صوان الحکمۃ

وکان الشیخ الحکیم ابوعلی بن سینا وزیر الملک علاء الدولہ فاغار عسکر تاش فراش علی بیت کتب ابی علی ونقلوا اکثر تصانیفه و کتبه الی خزانة کتب غزنه و کانت فیها مجموعة[1]

اور شیخ حکیم ابوعلی بن سینا علاء الدولہ ابن کاکویہ کا وزیر تھا، لہٰذا تاش فراش (جو ابوسہل کے ساتھیوں میں سے تھا) کے لشکر نے بوعلی سینا کے کتب خانہ کو بھی لوٹا اور اسکی بہت سی مصنفات نیز مملوکہ کتابوں کو غزنی کے کتب خانہ میں منتقل کیا گیا جہاں وہ (علاء الدین جہانسوز کے حملہ تک) جمع رہیں

لیکن ابن سینا کے حسن تدبیر سے علاء الدولہ نے پیہم شکستوں کے باوجود ہمت نہیں ہاری، یہانتک کہ مسعود کو سلاجقہ نے کمزور کردیا اور بالآخر علاء الدولہ نے ابوسہل حمدونی کو صوبہ جبال سے بیدخل کردیا،[2]

۴۳۳ھ میں مسعود سلاجقہ کی شورش دبانے میں ناکام ہونے کے بعد ہندوستان چلا گیا، راہ میں نمکحرام غلاموں نے قتل کردیا، اس کے بعد پہلے اس کا بھائی محمد اور پھر بیٹا مودود تخت نشین ہوئے، مودود کے بھائی مجدود نے جو ہندوستان میں باپ کا نائب السلطنت تھا، علم خودمختاری بلند کیا، اور لشکر فراواں لیکر لاہور پہنچا، مودود نے بھی اس کے تدارک کے لیے ایک لشکر بھیجا، مگر ابھی یہ لشکر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مجدود بقرعید کے دوسرے دن اپنے خیمہ میں مردہ پایا گیا، کچھ دن بعد غزنویوں کی کمزوری سے فریب کھا کر ہندوستان کے راجاؤں نے متفق ہوکر لاہور پر حملہ کیا، مگر شکست کھائی،[3] مودود نے ۴۴۱ھ میں وفات پائی، اس کے بعد عبدالرشید بن مسعود تخت پر بیٹھا، مگر دو سال بعد اسکے محسن کش غلام طغرل نے اسے شہید کرڈالا، کچھ دن بعد ارکان دولت نے طغرل کو قتل کرکے فرخ زاد ابن مسعود کو تخت پر بٹھالا، اس کی وفات (۴۵۱ھ) کے بعد ابراہیم بن مسعود تخت نشین ہوا، ابراہیم نے

[1] اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص [2] روضۃ الصفا جلد چہارم [3] ایضاً

۴۶۹ھ میں اپنے بیٹے ابوالقاسم محمود کو ہندوستان میں اپنا نائب السلطنت بنایا جس کی تہنیت میں مسعود سعد سلمان کا قصیدہ مشہور ہے، اسی زمانہ میں نظام الدین ابو نصر ہبۃ اللہ الفارسی نے لاہور میں ایک بہت عمدہ خانقاہ تعمیر کرائی، عوفی نے اس عہد کے ایک اور مشہور فاضل ابوالعلا عطا بن یعقوب الکاتب کا ذکر کیا ہے جو لاہور میں نظر بند تھے، جب سلطان ابراہیم ہندوستان آیا تو انھوں نے اس کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس میں اپنے متعلق کہا تھا ؎

بے گنہ ماندہ ہشت سال بہ بند چوں گنہگار در عذاب الیم

ابراہیم نے ۴۹۱ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا مسعود اس کا جانشین ہوا، جس نے اپنے بیٹے شیرزاد کو اپنے ہندوستانی مقبوضات کا نائب السلطنت بنایا، مسعود کے بعد پہلے ارسلان شاہ اور پھر بہرام شاہ تخت پر بیٹھے، بہرام شاہ کے زمانہ میں غور کا ایک شہزادہ ملک قطب الدین بھائیوں سے ناراض ہو کر غزنی چلا آیا تھا، مگر بہرام شاہ اس سے بدظن ہو گیا، اور اسے خفیہ طور پر مروا ڈالا، اسکے بھائی سلطان سوری نے انتقاماً غزنی پر حملہ کیا، بہرام شاہ ہندوستان چلا گیا، مگر جاڑے کے موسم میں جبکہ غور کا راستہ برف سے بند ہو گیا، تو غزنی لوٹ آیا اور سوری کو شکست دیکر اس کے وزیر کے ساتھ پھانسی پر چڑھا دیا[1]، سوری کے بھائی علاء الدین حسین نے بھائی کے انتقام میں بہرام شاہ پر فوجکشی کر کے شکست دی اور وہ پھر ہندوستان بھاگ گیا، علاء الدین نے غزنی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا، اسی لیے وہ تاریخ میں "علاء الدین جہانسوز" کے نام سے مشہور ہے، علاء الدین کی واپسی پر بہرام شاہ پھر غزنی واپس آیا جہاں ۵۵۲ھ میں وفات پائی،

بہرام شاہ کے بعد اس کا بیٹا خسرو شاہ تخت نشین ہوا، غوریوں کی کینہ جوئی کی وجہ سے غزنوی سلاطین کی شوکت وحشمت یونہی ختم ہو چکی تھی کہ غزوں کی شورش شروع ہوئی اور ۵۵۷ھ

---

[1] طبقات ناصری ص ۱۶: ۱۱۳۰

میں غزنی پر ان کا قبضہ ہو گیا[1]، خسرو شاہ ہندوستان چلا آیا، جہاں ۵۵۹ھ میں اس نے وفات پائی، اور اس کا بیٹا خسرو ملک اس کا جانشین ہوا، لیکن غوریوں کی کینہ پروری نے ہندوستان میں بھی غزنویوں کو چین سے نہ رہنے دیا اور ۵۸۲ھ میں محمد غوری نے لاہور کو فتح کر کے غزنوی خاندان کا خاتمہ کر دیا اور بقول منہاج سراج

"خاندان آل ناصر الدین سبکتگین مندرس گشت ..... و پادشاہی ایران و تخت ہندوستان و ممالک خراسان بملوک و سلاطین شنسبانیان رسید[2]"

غزنوی سلطنت سامانی حکومت کے کھنڈروں پر قائم ہوئی تھی، جن کی قدر شناسی علم و ادب کے بارے میں ایک چشم دید سیاح مقدسی لکھتا ہے:-

ومن رسومهم لنهم لا يكلفون	سامانی بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ
اهل العلم تقبيل الارض	طبقہ علماء کو زمین بوسی کی تکلیف نہیں
..... ويختارون ابداً افقه	دیتے ..... اور بخارا میں جو عالم سب سے
من بخارا واعفهم فيرفعونه	زیادہ فقہ داں اور پرہیزگار ہوتا ہے
ويصدرون عن رايه ويقضون	اسے منتخب کر کے اسے بلند مرتبہ دیتے ہیں
حوائجه ويولون الاعمال	اور اسی کے مشورے پر عمل کرتے ہیں
بقوله[3]	اس کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں، اور
	اسی کی سفارش پر عہدہ دار مقرر کرتے ہیں،

اس لیے دیگر لوازم سلطنت کے ساتھ غزنویوں نے سامانیوں سے علم و ادب کی سرپرستی بھی ورثہ میں پائی تھی، اس خاندان (غزنویہ) کا واسطۃ العقد محمود غزنوی تھا، جو خود عالم اور علماء نواز تھا،

---

[1] طبقات ناصری ص ۲۵ [2] ایضاً ص ۲۷ [3] احسن التقاسیم مقدسی ص ۳۳۸

جواہر مضیہ میں اسے فقہائے احناف میں شمار کیا گیا ہے اور لکھا ہے :-

السلطان محمود من اعیان الفقہاء	سلطان محمود مشہور فقہا میں سے تھا، فصاحت
وفرید العصر فی الفصاحۃ	و بلاغت میں یکتائے روزگار تھا...... فقہ
والبلاغۃ ...... ولہ التصانیف	حدیث میں کئی کتابیں اس کی تصنیف ہیں،
فی الفقہ والحدیث والخطب	اور خطب رسائل کا بھی مصنف ہے، اسکے
والرسائل ولہ شعر جید	اشعار بھی اچھے ہیں...... اسکی تصانیف
...... ومن تصانیفہ کتاب	میں سے کتاب التفرید مشہور ہے، جو حنفی فقہ
التفرید علی مذہب ابی حنیفہ	میں ہے اور غزنی کے علاقہ میں متداول
مشہور فی بلاد غزنۃ[1]	ہے۔

ابن اثیر اس کی علمی سرپرستی اور فضلا نوازی کے بارے میں لکھتا ہے :

کان یمین الدولۃ محمود بن	یمین الدولہ محمود بن سبکتگین عقلمند، دیندار
سبکتگین عاقلاً دینا خیرا عندہ	اور نیکوکار تھا، صاحب علم و معرفت تھا،
علم معرفۃ وصنف لہ کثیر	مختلف علوم و فنون میں کثیر التعداد کتابیں
من الکتب فی فنون العلوم و	اس کے نام پر تصنیف کی گئیں، دور دراز
قصدہ العلماء من اقطار	شہروں کے علماء اس کے دربار میں آئے تھے،
البلاد وکان یکرمہم[2]	اور وہ عزت و اکرام سے انھیں نوازتا تھا،

۴۰۹ھ میں قنوج کی مہم سے واپسی پر اس نے غزنی میں ایک خوبصورت مسجد اور ایک عظیم الشان مدرسہ بنایا تھا اور اس مدرسہ کے لیے ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا، روضۃ الصفا میں ہے :-

له بحوالہ المضیہ جلد ثانی ص ۱۵۱ ، ۲ے کامل ابن اثیر جلد تاسع ص ۳۹

"و در جوار آں مسجد مدرسہ بنیاد نہاد و بنفائس کتب و غرائب نسخ آنرا موشح گردانید۔"[1]

لیکن با ایں ہمہ معارف پروری علوم عقلیہ کی سرپرستی میں محمود کا کوئی حصہ نہیں ہے، بلکہ وہ ان علوم کا دشمن تھا، اور چونکہ معتزلہ بھی عقلیت کے پرستار تھے، اس لیے وہ ان سے بھی بیزار تھا، یہاں تک کہ اسکے زمانہ میں عقلیت کے قائلین معتزلی سمجھے جاتے تھے، چنانچہ محمد بن الفضل البلخی نے اس کے نام پر جو کتاب الاعتقاد کی کر معنون کی تھی، اس میں لکھا تھا :-

من قال ان العقل افضل من	جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ عقل علم
العلم فہو معتزلی[2]	سے افضل ہے تو وہ معتزلی ہے۔

بہر حال محمود نے معتزلہ کی بیخکنی میں بھی کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، فتح رے کے بعد القادر باللہ عباسی کو جو فتحنامہ لکھ کر بھیجا تھا، اس میں حسب تصریح روضۃ الصفا، مذکور تھا :-

"معتزلہ کہ در رے اقامت داشتند ہمہ را کوچانیدہ بخراسان فرستادیم"

احمد بن یحییٰ المرتضی نے "کتاب منیۃ الامل" (باب ذکر المعتزلہ) میں لکھا ہے کہ نیشاپور کے مشاہیر معتزلہ میں سے تین عالم محمود کے حکم سے جلا وطن کیے گئے :-

ومنہم ابو الفتح الاصفہانی	عبد الجبار استر آبادی کے شاگردوں میں سے
..... وورد الکتاب من محمود	ابو الفتح الاصفہانی بھی تھا......
سلطان زمانہ بحمل المعتزلۃ	بادشاہ وقت محمود کا فرمان آیا کہ معتزلہ
الی حضرتہ بغزنۃ فحمل من	کو غزنی دار السلطنت میں بھیجا جائے،
نیسابور ثلثۃ نفر ہو وابو صادق	چنانچہ نیشاپور سے تین فضلاء ابو الفتح
امام مسجد الجامع وابو الحسن	اصفہانی، ابو صادق امام جامع مسجد

له روضۃ الصفا جلد ۴ ص ۱۴۱ ۲ے الجواہر المضیہ جلد ثانی ص ۱۱۱ ۳ے روضۃ الصفا جلد ۴ ص ۶۰

الصابری المعروف بسیبویہ	اور ابوالحسن الصابری جو علم نحو کے سیبویہ
لعلمہ بالنحو فبعث بھم الی	کہلاتے تھے، بلیجائے گئے، انہیں قصدار بھیجا
قصدار فماتوا ھناک[1]	گیا، جہاں تینوں نے وفات پائی،

قاضی عبدالجبار کے اثر سے رے میں اعتزال کی بڑی گرم بازاری تھی، اور وہاں کے کتب خانہ میں اس مذہب کی بے شمار کتابیں تھیں، مگر محمود نے سب کو جلوا دیا، روضۃ الصفا میں ہے:

در خانۂ مجدالدولہ کتب بسیار بود، آنچہ مشتمل بود بر سخنان حکما و اہل اعتزال بموجب فرمان سوختہ گشت و باقی را بخراسان بردند[2]"

رہا فلسفہ تو وہ باطنیت و قرمطیت کا شعار تھا، جو محض ایک علمی تحریک نہیں، بلکہ ایک خطرناک انقلابی اور مزاجی تحریک تھی، لہذا اس کے استیصال میں اس نے جو کچھ کیا حزم و احتیاط کا عین تقاضا تھا، مگر محمود کی سیاسی فتوحات بالخصوص اس کے ہندوستانی حملوں نے باطنی انقلاب پسندوں کی دسیسہ کاریوں پر پردہ ڈال رکھا ہے، ورنہ یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان پر اس کا حملہ ملک گیری سے زیادہ حزم و احتیاط کا نتیجہ تھا، وہ قرامطہ کی سازشوں کو بروئے کار آنے سے پہلے ہی ان کا قلع قمع کر دینا چاہتا تھا، یہ اسی حزم و احتیاط کا نتیجہ تھا کہ اس نے فردوسی کی جگر کاوی کا صلہ نہیں دیا، البیرونی کی قدر و منزلت نہ کی، اور شیخ بوعلی سینا اس سے بھاگتا پھرا،

اسی طرح محمود کو نجوم و ہیئت سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی، حالانکہ اس زمانہ میں خراسان سے لے کر مصر و مغرب تک تمام معاصر حکمران ان فنون کی ترقی میں بیش از بیش کوشاں تھے، محمود کی نجوم سے بے اعتنائی کا اندازہ حسب ذیل حکایت سے ہو سکتا ہے، جو عوفی نے "جوامع الحکایات" میں نقل کی ہے:-

سلطان محمود بن سبکتگین انار اللہ برہانہ کے دربار میں بیسیوں ایسے مشہور منجم جمع تھے جو اس زمانہ

[1] باب ذکر المعتزلہ مرتبہ آرنلڈ ص ۷۰، [2] روضۃ الصفاج ۴ ص ۶۰

میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، مگر سلطان کسی معاملے میں ان کی رائے نہ لیتا تھا، ایک مرتبہ کسی منہ لگے مصاحب نے دریافت کیا کہ علم نجوم کے اتنے بڑے بڑے استاد حضور کے پاس جمع ہیں مگر کبھی آپ ان سے کوئی بات نہیں پوچھتے پھر ان کی موجودگی کا کیا فائدہ؟ سلطان نے جواب دیا،

...... میرے معاملات کی بنیاد دو باتوں پر ہے: خدا پر توکل اور شریعت کا فتویٰ[1]

اس نجوم بیزاری ہی کا نتیجہ تھا کہ البیرونی کو صحیح پیشین گوئی کرنے پر بجائے انعام دینے کے قید خانہ بھیج دیا، نجوم کے علاوہ ہیئت کو بھی وہ الحاد و بیدینی سمجھتا تھا، چنانچہ یاقوت نے لکھا ہے:-

انہ ورد علیہ رسول من اقصی	ترکستان کی (شمالی) سرحد سے ایک سفیر
بلاد الترک وحدث بین یدیہ	محمود کے دربار میں آیا اور جو کچھ اس نے سمندر
ما شاہدہ فیما وراء البحر نحو القطب	کے اس جانب قطب جنوبی (قطب شمالی)
الجنوبی من دور الشمس علیہ	کی طرف دیکھا تھا، محمود کے سامنے بیان
ظاہرۃ فی کل دورہا فوق	کیا کہ سورج چھ مہینے تک، اپنے پورے
الارض بحیث یبطل اللیل	دور میں زمین کے اوپر برابر طلوع رہتا ہے،
فتسارع علی عادتہ فی التشدد	کہ رات ہوتی ہی نہیں، یہ سنکر محمود نے جیسا کہ
فی الدین الی نسبۃ الرجل الی	تصلب فی الدین کی اسے عادت تھی، اس
الالحاد والقرمطۃ[2]"	قاصد پر الحاد و قرمطیت کا الزام لگایا،

بایں ہمہ اس کا عہد تاریخ اسلام کے عظیم ترین ہیئت داں البیرونی کے ظہور و نبوغ کے لیے مشہور

۳- البیرونی ہندوستان کا باشندہ نہ تھا، اور نہ اس نے یہاں توطن اختیار کیا تھا، وہ یہاں محمود کے ہمراہ آیا جایا کرتا تھا، اسی سیر و سفر کے دوران میں اس نے ہندوؤں کے علوم کی تحصیل بیان کے

[1] جوامع الحکایات، اردو ترجمہ جلد دوم ص ۱۰۷-۱۰۸ [2] معجم الادباء جلد سادس ص ۳۱۰

پنڈتوں سے کی، اس کے علاوہ ہندوستان کے متعدد شہروں کے عرض البلد دریافت کیے، چنانچہ لکھتا ہے کہ

"میں نے خود قلعہ لاہور کے عرض البلد کی پیمائش کی، تو ۳۴° ۳ دقیقہ پایا۔۔۔۔۔۔ دوسرے

عرض البلد جو میں نے دریافت کیے وہ یہ ہیں: لمغان ۳۴° ۴۳ دقیقہ پیشاور ۳۴°

۴۴ ویہند ۳۴° ۳۰ جیلم ۳۳° ۴۰ قلعۂ مندا ۳۲° ۵ سیالکوٹ ۳۲ ۵۵

مندگور ۳۱° ۵۰ ملتان ۲۹ ۴۰"[1]

لیکن البیرونی کے قیام ہندوستان کا مشہور علمی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ۴۱۷ھ کے قریب سندھ میں سمندر کے نزدیک محیط ارضی کی پیمائش کی جو ہندوستان کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا، اس سے پہلے وہ دہستان میں اس تجربہ کی کوشش کر چکا تھا، مگر کامیابی نہیں ہوئی، چنانچہ قانون مسعودی میں لکھتا ہے،

وعلی شدۃ حرصی ان اتولی	مجھے اس (محیط ارضی کی پیمائش) کی تحصیل کا
الاعتبار واختیاری له	بیحد شوق تھا، اور میں نے شمالی دہستان میں
قاعاً صفصفاً فی شمال دھستان	جو جرجان کا حصہ ہے ایک چورس اور چٹیل
التی بارض جرجان - ثم عجزی	میدان منتخب کیا تھا، مگر وہاں کے تھکا دینے والے
عن المفاوز المتعبۃ والمعین	بیابانوں نے مجھے عاجز کر دیا، نیز میں اس وجہ سے
الصادق علیه عدلت فیه[2]	ناکام رہا کہ مجھے وہاں کوئی سچا مددگار دستیاب نہ ہو سکا۔

اس ناکام تجربہ کے ذکر کے بعد وہ ہندوستان میں اس کے دوبارہ کرنے اور کامیاب ہونے کا بیان کرتا ہے،

"جب مجھے سرزمین ہندوستان میں ایک پہاڑ ملا جہاں سے ایک چورس بیابان نظر آتا تھا،

۱ کتاب الہند ص ۹۳ ۲ قانون مسعودی جلد ثانی ص ۵۳

اور یہ بیابان سمندر کی سطح کے مانند مستوی تھا، تو میں نے اس پہاڑ کی چوٹی پر زمین آسمان کے ملنے کی جگہ یعنی دائرہ افق کا قیاس لگایا، اور معلوم کیا کہ وہ خط مشرق و مغرب سے ۳۵ دقیقہ سے ذرا کم ہے، میں نے اسے ۳۴ دقیقہ فرض کیا، اور پھر پہاڑ کی اونچائی دریافت کی، اس کے لیے میں نے ایسے دو مقاموں سے جو اس کے اصل عمود کی سیدھ میں تھے، اس کا ارتفاع ناپا تو ۶۵۲ ۱/۲ گز تھا۔[1]

اسی طرح کتاب التفہیم میں مامونی منجمین کے نہج پر ہندوستان میں محیط ارضی کی دریافت کے تجربے کے اعادے کے سلسلے میں لکھتا ہے :-

وقد اعتبرت انا ذلك بارض	میں نے سرزمین ہند پر اس تجربہ کی تصدیق کی تو
الهند فلم یخالف شئ یعبابه	کوئی معتد بہ فرق نہ نکلا۔

بہرحال محیط ارضی کی پیمائش کا یہ پہلا تجربہ تھا، جو سرزمین ہند پر کیا گیا، اس سے پہلے دو مرتبہ یہ تجربہ کیا گیا تھا، پہلی مرتبہ ایراتوستھنیس نے اسکندریہ میں اور دوسری مرتبہ مامونی منجمین نے عراق میں،

محمود کے بعد مسعود تخت نشین ہوا، اس نے بھی باپ کی علم دوستی و ہنر پروری کی روایات کو جاری رکھا، ابن الاثیر لکھتا ہے:

وکان السلطان مسعود شجاعا	سلطان مسعود شجاع، سخی، اوصاف حمیدہ
کریما ذا فضائل کثیرۃ محبا	سے متصف، علماء کو دوست رکھنے والا
للعلماء کثیر الاحسان الیهم	اور ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے
والتقرب لهم صنفوا له التصانیف	والا تھا، علماء نے مختلف علوم و فنون میں
الکثیرۃ فی فنون العلم[2]	بہت سی تصانیف اس کے نام پر لکھیں،

لیکن باپ کے برخلاف اس نے علم و حکمت بالخصوص نجوم و ہیئت کی سرپرستی پر خاص توجہ کی، یاقوت لکھتا ہے

۱ قانون مسعودی جلد ثانی ص ۵۳ ۲ کامل لابن الاثیر جلد تاسع ص ۱۶۰

اما ابنہ السلطان مسعود فقد کان
فیہ اقبال علی علم النجوم و محبۃ
لحقائق العلوم[۱]

لیکن اس کے بیٹے سلطان مسعود کی علم نجوم پر خاص توجہ تھی، اور حقائق علوم سے اس کو محبت تھی،

محمود کو فلسفہ کی کتابوں سے اتنا بغض تھا کہ رے کی فتح کے موقع پر انھیں جلوا دیا تھا، مگر جب ابو سہل حمدونی نے شیخ بو علی سینا کا کتبخانہ لوٹا تو مسعود نے اسے شاہی کتبخانہ میں داخل کرا دیا۔ ابن الاثیر لکھتا ہے:۔

وکان ابو علی سینا فی خدمۃ علاء الدولۃ
فاخذت کتبہ وحملت الی غزنۃ
فجعلت فی خزائن کتبہا[۲]

بو علی سینا علاء الدولہ کے دربار میں تھا، لہذا اس کی کتابیں بھی لٹ کر غزنی آئیں جہاں شاہی کتبخانہ میں داخل کی گئیں۔

مسعود ہی کے نام پر البیرونی نے "قانون مسعودی" معنون کی جس کے صلے میں اس نے ہاتھی کے وزن برابر چاندی دینا چاہی، مگر البیرونی کی سیر چشمی نے اسے قبول نہ کیا[۳] مسعود کے بعد مودود تخت پر بیٹھا جس کے نام پر اس نے "الجماہر فی الجواہر" اور "کتاب الدستور" معنون کیں[۴]۔

پانچویں صدی ہجری کے وسط سے لاہور اسلامی ثقافت کا مرکز بن گیا تھا، اور بعد میں تو غزنوی سلاطین (خسرو شاہ اور خسرو ملک) کا دار السلطنت ہی رہا، اس لیے یہاں کا دیوان کتابت غزنی اور دیگر ممالک ایران کے دفاتر کے نمونے پر قائم ہوا تھا، جہاں کُتّاب علوم ادبیہ کے ساتھ علوم دینیہ اور علوم عقلیہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، چنانچہ عبد اللہ ابن المقفع جو منصور کے عہد کا کاتب تھا، ارسطاطالیسی منطق کا پہلا مترجم تھا، بویہی خاندان کا وزیر ابن العمید منطق و حکمت اور ریاضی و ہیئت میں سر آمد فضلائے روزگار تھا، انھیں فضلائے نامدار کے اخلاف لاہور کے دیوان کتابت میں عہدہ دار تھے، اس لیے یقیناً یہ بھی فلسفہ و حکمت میں تبحر رکھتے ہونگے، پھر شروع زمانہ کے کُتّاب خراسان سے تعلیم مکمل کر کے آئے ہوں گے مگر بعد میں ان کی تعلیم کا انتظام یہیں ہوا ہوگا۔

۱؎ معجم الادبا جلد سادس ص ۳۰۳ ۲؎ کامل لابن الاثیر جلد تاسع ۳؎ ۴؎ معجم الادبا، سادس ص ۳۰۱ - ۳۱۰

غرض پانچویں صدی کے وسط سے مدارس لاہور کے نصاب میں فلسفہ و ہیئت متداول تھے، کیونکہ مسعود سعد سلمان جو لاہور میں پیدا ہوا تھا، اور جس نے یہیں تعلیم پائی تھی، ۴۶۹ھ میں ابو القاسم سیف الدولہ محمود کے نائب امیر ہندوستان بنائے جانے کی تہنیت میں کہتا ہے:۔

منجماں ہمہ گفتند کایں دلیل کند بحکم زیج بتانی کہ ہست در تقویم
کہ دیر زود خطیباں کنند بر منبر بنام سیف دول خطبہائے ہفت اقلیم
بسال پنجہ ایں پیش گفت بو ریحاں دراں کتاب کہ کردہ است نام او تفہیم
کہ پادشاہے صاحب قراں شود پیدا چو سال ہجرت بگذشت تے و سین و جیم ۴۶۹

ظاہر ہے "زیج البتانی" اور "کتاب التفہیم" اور ان کے مضامین کا بے تکلف ذکر وہی لوگ کر سکتے ہیں جو نجوم و ہیئت کے طالب علم رہے ہوں، مگر مسعود سعد سلمان نجوم کا ماہر خصوصی نہیں تھا، اس فن سے اتنا ہی ادراک رہا ہوگا جتنا اس زمانہ کے عام طلبہ کو، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں لاہور کے مدارس کے اندر حکمت و معقولات کا معیار خاصہ بلند تھا، اور خراسان کے اندر ابو العباس اللوکری کے نفس گرم کی تاثیر سے فلسفہ و حکمت کی جو اشاعت ہو رہی تھی اس کا اثر اسلامی ہندوستان تک بھی آگیا تھا، مگر اس عہد کا کوئی علمی تذکرہ نہیں ملتا، البتہ عوفی نے غزنویوں کے آخری زمانہ میں لاہور کے اندر ایک فلسفی کی نشاندہی کی ہے جن کا نام یوسف بن محمد دربندی تھا، "لباب الالباب" میں لکھتا ہے:

"تاج الدین جمال الفلاسفہ یوسف بن محمد الدربندی: بوفور فضائل مشہور و فنون محامد مذکور ..... در دولت خسرو ملک آں سائشہا دیدہ بود ..... کے از مزارہائے بزرگ در خطہ لاہور تربت اوست[۱]۔"

یوسف بن محمد کے لقب "جمال الفلاسفہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لاہور میں اور بھی فلاسفہ تھے جن کے سر سبد یوسف بن محمد دربندی تھے۔

(باقی)

۱؎ لباب الالباب عوفی جلد اول ص ۱۰۶

عرب میں آباد ہندوستانیوں کو دعوتِ اسلام

از جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری اڈیٹر البلاغ بمبئی

ہم نے معارف کے گذشتہ نمبروں میں عرب و ہند کے تعلقات کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قدیم زمانہ سے عرب میں ہندوستان کے لوگ آباد تھے، اور عہد رسالت میں ان کی اچھی خاصی تعداد وہاں کے مختلف علاقوں میں موجود تھی، اس لیے عہد رسالت میں جب اسلام کی دعوت عام ہوئی اور اطراف و جوانب میں پھیلی تو عربوں کی طرح غیر عربوں میں بھی اس کی تبلیغ ہوئی، اور ایرانیوں، رومیوں، حبشیوں کی طرح ہندوستانیوں کو بھی اس نعمت سے حصہ ملا، اور یمن، بحرین اور نجد وغیرہ میں رہنے والے ہندوستانی باشندوں نے بھی اسلام قبول کیا، گو اس کی تصریح و تفصیل کتب تواریخ و سیر اور احادیث میں نہیں ملتی ہے مگر جستہ جستہ واقعات اور اشارات سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے، ہندوستانیوں میں کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے دعوتِ اسلام پر لبیک نہیں کہا، بلکہ وہ یہود و نصاریٰ اور مجوس کی طرح اپنے آبائی دین پر قائم رہے، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا جو دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ کیا گیا،

یہ موضوع بہت اہم اور دلچسپ ہے، مگر افسوس ہے کہ تلاش و جستجو کے باوجود اس پر بہت کم مواد مل سکا، بہرحال جو کچھ بھی ملا ہے اس پر اکتفا کیا جاتا ہے،

جاہلی عربوں اور ہندوؤں میں مذہبی ہم آہنگی اور ہندوؤں کی عربوں کے معبدوں سے عقیدتمندی

جاہلی عربوں اور ہندوستان میں تجارتی، معاشی اور اقتصادی تعلقات کے علاوہ مذہبی اور اعتقادی

تعلقات بھی تھے، اور دونوں ملکوں میں اس اعتبار سے بھی ہم آہنگی تھی کہ اصنام پرستی، مظاہر پرستی، اور کواکب پرستی دونوں میں عام تھی، عرب کے ہندوستانی اسی اشتراک عقیدہ کی بناء پر عربوں میں بڑی آسانی سے کھپ جاتے تھے، جو ان ہی کی طرح کے عقائد و خیالات کے حامل تھے،

علامہ عبدالکریم شہرستانی نے کتاب الملل والنحل کے مقدمہ میں لکھا ہے:-

ان العرب والهند يتقاربان على مذاهب واحد، واكثر ميلهم الى تقرير خواص الاشياء والحكم بأحكام الماهيات والحقائق واستعمال الامور الروحانية[1]

عرب اور ہند دونوں کا مذہب قریب قریب یکساں ہے، ان دونوں میں سے اکثروں کا رجحان اشیاء کے خواص کے ثبوت اور ماہیات و حقایق کے احکام پر چلنے اور روحانیات کے استعمال کرنے کی طرف ہے۔

اسی بات کو دوسری جلد میں "آراء العرب فی الجاہلیۃ" کے ماتحت لکھا ہے:-

قد ذكرنا في صدر الكتاب ان العرب والهند يتقاربان على مذهب واحد واجملنا القول فيه حيث كانت المقارنة بين الامتين مقصورة على اعتبار خواص الاشياء والحكم باحكام الماهيات والغالب عليهم الفطرة والطبع[2]

ہم نے کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے کہ عرب اور ہند دونوں کا مذہب قریب قریب یکساں ہے اور وہاں اجمالاً بتایا ہے کہ دونوں قوموں کا مذہبی میل جول صرف اشیاء کے خواص اور ماہیات کے احکام کے اعتبار و حکم تک ہے اور دونوں پر فطرت و طبیعت کا غلبہ ہے۔

[1] کتاب الملل والنحل طبع قدیم مصر ج ۱ ص ۲ و ۳ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۶

ابتدا میں ہند و عرب کی مذہبی نوعیت یہی تھی، مگر بعد میں دونوں قوموں میں بت پرستی اور ہیکل پرستی کا رواج ہوگیا، اور وہ بت پرست قوموں میں شامل ہوگئیں، دنیا کی بت پرست قوموں کے سات بڑے بڑے ہیاکل (بت خانے) تھے، جو سبع سیارہ کے نام سے موسوم تھے، مسعودی نے ان کی تفصیل یہ بیان کی ہے (۱) مکہ میں کعبہ زحل ستارہ کا ہیکل مان لیا گیا تھا (۲) ہیکل اصفہان، یہ مجوس کا آتشکدہ تھا (۳) ہندوستان میں سومنات (۴) بلخ میں نوبہار (۵) صنعاء یمن میں زہرا ستارہ کے نام کا بیت غمدان (۶) فرغانہ میں آفتاب کا ہیکل اور (۷) چین کا ہیکل۔[1]

شہرستانی نے دنیا کے ان سات بتخانوں کے نام شمار کراتے ہوئے ان کو ہند اور عرب میں مشترک بتایا ہے اور لکھا ہے:

واما بیوت الاصنام التی کانت	عرب اور ہندوستان کے مشہور
للعرب والھند فھی البیوت	بت خانے سات ہیں جو ستاروں
السبعة المعروفة المبنية علی	کے نام پر بنے ہوئے ہیں،
السبع الکواکب	

(۱) بیت فارس، جبل اصفہان پر (۲) بت خانہ ملتان (۳) بت خانہ سومنات، (۴) نوبہار بلخ (۵) بیت غمدان، صنعاء یمن (۶) بت خانہ فرغانہ، اور (۷) مکہ میں کعبہ جس کے متعلق بعد میں یہ غلط طور پر مشہور کیا گیا کہ وہ زحل ستارہ کی مناسبت سے بنایا گیا ہے، حالانکہ نہ اس کے بانی نے اس کو ستاروں کے طوالع پر بنایا تھا، اور نہ اس کا نام بیت زحل رکھا گیا تھا کہ اسے بقا و دوام حاصل ہو، بلکہ کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنایا تھا، مگر عمرو بن لحی نے اپنی تولیت کے زمانہ میں بلقاء (ارض شام) سے پہلی مرتبہ

لہ مروج الذہب ج ۲ ص ۲۳۸ تا ص ۲۴۱ طبع جدید مصر،

بت لا کر کعبہ میں رکھا، اور اس کا رواج ملک شاپور ذی الاکتاف کے زمانہ سے عام ہوا، جو زمانۂ اسلام تک جاری رہا، تا آنکہ فتح مکہ میں کعبہ کی تطہیر ہوئی۔[1]

اس حقیقت کے باوجود بت پرستوں کی ایک جماعت کعبہ کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھتی تھی کہ وہ زحل ستارے کے نام پر بنایا گیا ہے، اسی لیے اس میں دوام و بقاء کی شان پائی جاتی ہے، مسعودی نے اس جماعت کا خیال نقل کیا ہے:

وقد ذھب قوم الی ان البیت	ایک جماعت کا خیال ہے کہ کعبہ ہیکل زحل
الحرام وھو بیت زحل وانما	ہے اور اس لیے وہ مرور ایام کے بعد بھی قائم ہے
طال عندھم بقاء ھذا	اور مدت دراز سے ہر زمانہ میں معزز و محترم رہا ہے،
البیت علی مرور الایام معظم	کیونکہ وہ زحل ستارہ کا ہیکل ہے، اور زحل
فی سائر الاعصار لانہ بیت	ہی اس کا متولی و مالک ہے، زحل کے لیے
زحل، وان زحل تولاہ،	بقا و دوام ہے، جو چیز اس کے نام پر ہوگی
وان زحل من شانہ البقاء	اس میں زوال و تغیر نہیں ہوگا، بلکہ
والثبوت، فما کان لہ فغیر	اس کی تعظیم و تکریم ہمیشہ باقی رہے گی،
زائل ولا داثر، وعن التعظیم	
غیر حائل[2]	

ہندوستان کے ہندو بھی ان ہی بت پرستوں میں تھے، جو کعبہ کو زحل ستارہ کا ہیکل مان کر اس کی تعظیم و تکریم کے قائل تھے، بلکہ وہ عرب کے بعض دوسرے بت خانوں کا بھی احترام کرتے تھے، اور ہندوستان کے لوگوں اور یہاں کی چیزوں کو عرب کے معبدوں سے کسی نہ کسی رنگ میں علاقہ

لہ الملل والنحل ج ۲ ص ۱۰۷ و ۱۰۸، ۲ہ مروج الذہب ج ۲ ص ۲۳۷ طبع جدید مصر

رہا ہے، چنانچہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ جب عبد المطلب نے چاہ زمزم کو دوبارہ کھدوا، تو اس کے
اندر سے سونے کے دو ہرن ملے جو قبیلہ بنو جرہم کے تھے،

ووجد فیھا أسیافا قلعیة — نیز اس میں انھوں نے کلہ کی تلواریں
وأدراعاً [1] — اور زرہیں پائیں،

اس سامان کے بارہ میں قریش نے عبد المطلب سے جھگڑا کرکے اپنا استحقاق ظاہر کیا،
اور جب قرعہ اندازی ہوئی تو یہ تلواریں اور زرہیں عبد المطلب کے حصہ میں آئیں اور تلواروں سے
انھوں نے کعبہ کا دروازہ بنایا،

یہ اسیاف قلعیہ وہ ہندی تلواریں ہیں جو یہاں کے شہر کلہ میں بنائی جاتی تھیں، مشہور سیاح
ابو دلف مسعر بن مہلہل ینبوعی کلہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

وفیھا قلعة عظیمة فیھا — اس شہر میں بہت بڑا قلعہ ہے، جس میں
معدن الرصاص القلعی — رانگے کی کان ہے، اور یہ صرف اسی قلعہ میں
لا یکون الا فی قلعتھا وفی — ہوتا ہے، اور اسی قلعہ کے اندر قلعی تلواریں
ھذہ القلعة تضرب السیوف — بنائی جاتی ہیں، جو اعلیٰ قسم کی ہندی
القلعیة وھی الھندیة العتیقة [2] — تلواریں ہوتی ہیں،

مشہور شاعر فرزدق نے آل مہلب کی تعریف کے ضمن میں قلعیہ یعنی کلہ کی بنی ہوئی ہندوستانی
تلواروں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

متقلدی قلعیة وصوارم — ھندیة وقدیمة الآثار

وہ لوگ قلعی تلواریں اور قدیم ہندوستانی شمشیر براں اپنی کمر سے باندھے ہوئے ہیں،

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۲۶ [2] یہ سیاح ۳۳۱ھ میں موجود تھا، اس نے عرب سے چین تک کا سفر کیا تھا، اس کے سفرنامہ کا اکثر حصہ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں چین کے ذکر میں نقل کردیا ہے، ملاحظہ ہو معجم البلدان ج ۵ ص ۴۱۵

اس روایت سے اگرچہ یہ پتہ نہیں چلتا کہ کلہ کی ہندوستانی تلواروں کو یہاں کے لوگوں نے
کعبہ کی نذر کیا تھا، یا خود عربوں نے ان کو خرید کر دفائن کعبہ میں رکھا تھا، مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کو چاہ زمزم کے اندر ہندوستان کی تلواریں ملیں،
اور انھوں نے ان کو کعبہ کے دروازے میں استعمال کیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ تک موجود تھا،

کعبہ سے ہندوستانیوں کی قدیم عقیدت وتعلق کا پتہ بعد کے واقعات سے بھی چلتا ہے،
چنانچہ خلیفہ مامون کے زمانہ میں تبت اور سندھ کے علاقہ کا ایک راجہ مسلمان ہوا، اس کے
پاس انسانی شکل کا سونے کا ایک مرصع بت اور اس کا تخت تھا، اس نے اسلام قبول کرنے
کے بعد ان دونوں گرانقدر چیزوں کو کعبہ کی نذر کردیا، امام ابو الولید محمد بن عبد اللہ
ازرقی مکی نے تاریخ مکہ میں اس کا تذکرہ نہایت تفصیل سے کیا ہے [1]،

کعبہ کے علاوہ عرب کے دوسرے معبدوں سے بھی ہندوستانیوں کو عقیدت تھی
اور وہ ان سے اپنا تعلق ظاہر کرتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابرہہ
نے صنعاء میں بیت غمدان کے پہلو میں ایک بہت بڑا ہیکل قلیس کے نام سے بنوایا تھا،
تاکہ کعبہ کے حجاج کو مکہ سے ہٹا کر اس معبد کو عربوں کی عبادت گاہ قرار دے، قلیس
عرب وعجم میں اپنی شان کا واحد معبد تھا، اس کی تعمیر میں جو پتھر استعمال کیے گئے تھے،
وہ مارب کے قصر بلقیس کے تھے، اور سبز، سرخ، زرد اور سیاہ قیمتی پتھر اس طرح جوڑے
گئے تھے کہ

وفیھا بین کل ساقین خشب — ہر دو ستونوں کے درمیان شیشم کی لکڑی

[1] بحوالہ رجال السند والہند ص ۲۹۶

من ساسم مدور الراس غلظ الخشبة .... حضن الرجل وكان المدخل منه (الباب) الى بيت فى جوفه طوله ثمانون ذراعاً فى اربعين معلق العمل بالساج المنقوش، ومسامير الذهب والفضة[۱]

تھی جس کا سرا گول تھا، اور جس کی موٹائی آدمی کے دونوں ہاتھ کے گھیر کے برابر تھی، اور باہری دروازہ سے بتخانے کے اندر جانے کا راستہ ساگوان کی منقش لکڑی کا بنا ہوا تھا، جو معلق تھا اور اسکی لمبائی اسی ہاتھ اور چوڑائی ۴۰ ہاتھ تھی، اس میں سونے اور چاندی کی کیلیں لگی تھیں،

آگے چل کر اس کی بناوٹ اور سجاوٹ کے بارے میں لکھا ہے کہ

ودرج المنبر من خشب الساج ملبسة ذهبا وفضة، وكان فى القبة أوفى البيت خشبة ساج منقوشة طولها ستون ذراعا يقال لها كعيب وخشبة من ساج نحوها فى الطول يقال لها امرأة كعيب كانوا يتبركون بهما فى الجاهلية وكان يقال لكعيب الاحوزى والاحوزى بلسانهم الحرّ[۲]

منبر کی سیڑھیاں ساگوان کی لکڑی کی تھیں، جن پر سونا اور چاندی منڈھا ہوا تھا اور گنبد میں سونے کی زنجیریں آویزاں تھیں، اور اسی قبہ میں یا اندرونی حصہ میں ساگوان کی ایک منقش لکڑی تھی جس کا طول ساٹھ ہاتھ تھا، اسے کعیب کہتے تھے، اور اتنی ہی لمبی ایک دوسری ساگوان کی لکڑی تھی جسے کعیب کی بیوی کہتے تھے، عرب کے لوگ دور جاہلیت میں ان دونوں مورتیوں سے برکت حاصل کرتے تھے، اور کعیب کا نام انکے یہاں احوزی تھا،[۳]

[۳] جس کے معنی ان کی زبان میں بزرگ کے ہیں

---

[۱] اخبار مکہ ازرقی طبع مکہ مکرمہ ج ۱ ص ۱۴۴ [۲] ایضاً ص ۵۸

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معبد کی چوب عمارتی تمام تر ہندوستان کی شیشم اور ساگوان کی تھی، اور اس کے دونوں بت یعنی کعیب اور اس کی بیوی ساگوان کی لکڑی سے تراش کر بنائے گئے تھے، عجب نہیں کہ ہندوستان ہی کے بت تراشوں نے کعیب اور اس کی بیوی کی شکل بنائی ہو، کیونکہ ہندوستان اس فن میں قدیم زمانہ سے شہرت رکھتا ہے، اور عرب کے بت پرست اس میں کوئی خاص مہارت نہیں رکھتے تھے،

عرب اور ہندوستان کے مشہور بت اور بتخانے اور ان کی مشترک باتیں

جس طرح ہندوستان میں کواکب پرستی اور ستاروں کے نام پر بتخانوں کا رواج تھا، اسی طرح عرب کے بہت سے قبائل کواکب پرستی کرتے تھے، اور بت خانے بناتے تھے، چنانچہ قاضی صاعد بن احمد اندلسی نے طبقات الامم میں لکھا ہے کہ یہ قبائل ان ستاروں کی پوجا کرتے تھے، بنو حمیر سورج کی، بنو کنانہ چاند کی، بنو تمیم دبران کی، بنو لخم اور بنو جذام مشتری کی، بنو طے سہیل کی، بنو قیس شعریٰ کی، بنو اسد عطارد کی، قریش میں الحاد و بد دینی تھی، جسے انھوں نے اہل حیرہ سے لیا تھا، غرض اسلام کی ابتدا میں پورے عرب میں بت پرستی عام تھی، اور بنو تمیم میں مجوسیت تھی، اس قبیلہ کے مشہور مجوسی زرارہ بن حاجب بن زرارہ، اقرع بن حابس اور ابو اسود تھے،[۱]

عربوں کی بت پرستی کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے بت وُدّ، سواع اور یعوق تھے، دومۃ الجندل میں بنو کلب وُد کو پوجتے تھے، بنو ہذیل سواع کو پوجتے تھے، اہل یمن اور بنو مذحج کا بت یغوث تھا، یمن کا قبیلہ بنو ہمدان یعوق کی پرستش کرتا تھا، حمیر کے ذوالکلاع نسر کی پوجا کرتے تھے، طائف کے بنو ثقیف کا بت لات تھا، مکہ میں قریش کا بت عزیٰ تھا، بنو کنانہ اور بنو سلیم کے کچھ لوگ بھی عزیٰ کو پوجتے تھے، مدینہ میں اوس، خزرج اور غطفان کا بت

---

[۱] طبقات الامم ص ۵۷ طبع قدیم

منات تھا، عرب کے بتوں میں ہبل سب سے بڑا بت تھا، اس لیے اس کا مقام کعبہ کی چھت پر تھا، اساف اور نائلہ دو بت صفا اور مروہ پر تھے، اور اس طرح ان کو عمرو بن لحی نے کعبہ کے سامنے نصب کیا تھا۔[1]

ہندوستان اور سندھ کے جن ساحلی مقامات سے عربوں کو قدیم تعلق تھا، اور جہاں کے لوگ عرب میں آتے جاتے تھے، یا وہاں آباد ہو گئے تھے، ان مقامات میں بڑے بڑے بتخانے تھے، اور ان کے بارے میں الگ الگ عقائد و تصورات تھے، ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں ہندوستان کے ان ساحلی بت خانوں کے یہ نام دیے ہیں:- (۱) مانکیر (منگرور) کا بتخانہ اس میں بیس ہزار بت تھے، اور اس کی عمارت ایک فرسخ کی لمبائی چوڑائی میں تھی، لوگ دور دور سے آکر یہاں قربانی اور نذریں پیش کرتے بلکہ جان تک چڑھاتے تھے، (۲) ملتان کا بت خانہ جو سبعہ ہیاکل میں سے ایک تھا، یہاں ہندوستان بھر سے پجاری آکر قربانیاں، نجور اور نیازیں چڑھاتے تھے۔ (۳) بامیان کا بت خانہ (۴) قمار (راس کماری) کا بتخانہ صنف (ہند اور چین کے درمیانی شہر) کا بت خانہ وغیرہ،[2]

اس سے دونوں ملکوں کی کواکب و اصنام پرستی اور ان میں ہیکلوں کی کثرت کا پتہ چلتا ہے۔

شہرستانی نے الملل والنحل میں "آراء الہند" کے ماتحت لکھا ہے کہ ہندوستان میں مختلف مذاہب اور بہت سے فرقے اور جماعتیں ہیں، مگر یہاں کے جمہور صابئہ کے مذہب پر ہیں اور کواکب پرستی ان کا مذہب ہے، البتہ ان کے طریقے جدا جدا ہیں۔

عرب کے عام ہندو صابئہ اور کچھ مجوس شمار کیے جاتے تھے

واكثرهم على مذهب الصابئة — ہندوستان کے اکثر باشندے صابئہ اور

۴۸۶
لہ الملل والنحل شہرستانی ج ۲ ص ۹، ۱۰ طبع قدیم ؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الفہرست ص ۴۸۵،

ومناهجها فمن قائل بالروحانيات	اس کے طریقوں پر ہیں، ان میں بعض روحانیات
ومن قائل بالهياكل، ومن قائل	کے قائل ہیں، بعض ہیکلوں کے قائل ہیں،
بالاصنام الا انهم مختلفون	اور بعض بتوں کے قائل ہیں، البتہ یہ سب
فی شكل المسالك التی ابتدعوها	اپنے اپنے مذہبی طریقوں اور شکلوں میں
وكيفية اشكال وضعوها[1]	جن کو انھوں نے ایجاد کیا مختلف ہیں،

علامہ ابن صاعد اندلسیؒ نے بھی جمہور اہل ہند کو صابئہ ہی بتایا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

واما الصابئة وهم جمهور الهند	ہندوستان کے جمہور اور اسکی اکثریت عالم
ومعظمها فانها تقول بازل	کی ازلیت کی قائل ہے اور یہ کہ عالم علۃ العلل
العالم، وانه معلول بذات	یعنی ذات باری تعالیٰ سے معلول ہے،
علة العلل التی هی الباری	یہ لوگ کواکب کی تعظیم کرتے ہیں اور اپنے
عز وجل وتعظم الكواكب	تخیل کے مطابق انکی صورتیں بناتے ہیں
وتصور لها صوراً تمثلها	اور اپنی فہم کے مطابق ہر ستارہ کی طبیعت
وتتقرب اليها بانواع القرابين	کے مناسب طرح طرح کی قربانیاں دیتے
على حسب ما علموا من طبيعة	ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ ان ستاروں سے
كل كوكب منها ليستجلبوا بذلك	قوت حاصل کرکے اس دنیا میں ان کے
قواها، ويصرفوا فی العالم السفلی	تاثیرات کو کام میں لائیں، اور ستاروں کی
على اختيارهم تدبيرها، ويسمون	ان مثالی صورتوں میں ہر ایک صورت
كل صورة من هذه الصور بداً[2]	کو بت کہتے ہیں۔

لہ الملل والنحل ج ۲ ص ۱۱۵ ؎ طبقات الامم ص ۱۵

ثنویہ کے علاوہ ہندوستان میں ایک اور فرقہ تھا، جو مذہب ثنویہ کی طرف مائل اور ملت ابراہیمی کا قائل تھا، الملل والنحل میں ہے:۔

ومنهم من يميل الى مذهب الثنوية ويقول بملة ابراهيم عليه السلام[1]	ہندوستانیوں میں سے بعض مذہب ثنویہ کی طرف مائل ہیں، یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے قائل ہیں،[2]

یہ ثنویت مجوس کا بنیادی عقیدہ ہے، اور نور وظلمت کے فلسفہ پر اس کا دارومدار ہے،

ثم الثنوية اختصت بالمجوس حتى اثبتوا اصلين اثنين مدبرين قديمين يقتسمان الخير والشر والنفع والضر والصلاح والفساد ويسمون احدهما النور والثاني الظلمة وبالفارسية يزدان واهرمن[3]	ثنویت مجوسیوں کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ دو اصلوں کو قدیم اور مدبر مانتے ہیں جو خیر و شر، نفع و نقصان اور صلاح و فساد میں منقسم ہیں، ان میں سے ایک اصل کو نور اور دوسرے اصل کو ظلمت کہتے ہیں، اور فارسی میں انکو یزدان اور اہرمن سے یاد کرتے ہیں،

اس کے بعد شہرستانی نے ہندوستان کے فرقہ ثنویہ یا مجوس کا تذکرہ کیا ہے، نیز مجوسیوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ان کی ایک شاخ زرداشتیہ ہے، جس کا خیال ہے کہ ہمارے یہاں بھی انبیاء اور ملوک ہوئے، اور پہلا بادشاہ کیومرث تھا، جسے پورے روئے زمین کی بادشاہت حاصل تھی، اس کا مرکزی مقام اصطخر تھا، اس کے بعد اوشہنج بن فراول بادشاہ ہوا، جس نے ہندوستان جاکر مجوسیت کی تبلیغ کی تھی،

[1] الملل والنحل ج ۲ ص ۱۱۵ [2] یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا، بلکہ "براہمیت" اور "برہمنیت" میں اشتباہ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ [3] الملل والنحل ج ۱ ص ۱۳۷، ۱۳۸

ونزل الهند وكانت له دعوة ثمة[1]	یہ بادشاہ ہندوستان گیا اور اپنے مذہب کی دعوت دی،

ہندوستان کے ان مجوسیوں کے پیشواؤں کو عرب ہربذ کہتے تھے، یہ ان کے آتشکدہ کے منتظم اور ذمہ دار ہوتے تھے، لسان العرب میں ہے:۔

الهربذ بالكسر واحد الهرابذة المجوس وهم قومة بيت النار التى فى الهند، فارسى معرب وقيل عظماء الهند[2]	ہربذ ہرابذہ کا واحد ہے اور ہندوستان کے آتشکدہ کے پجاری اور منتظم ہوتے ہیں، یہ لفظ فارسی ہے اور معرب کیا گیا ہے اور ایک قول ہے کہ ہرابذہ ہندستان کے بڑے لوگوں کو کہتے ہیں،

ہندوستان کے یہ ثنویہ عربوں میں بہت بعد تک مجوس ہی کے نام سے مشہور تھے، چنانچہ بزرگ بن شہریار ناخدا رامہرمزی نے عجائب الہند میں ابوالزہر برختی ناخدا کے متعلق لکھا ہے کہ وہ پہلے ہندوستان کے مذہب پر مجوسی تھا، پھر مسلمان ہوگیا،

كان من عظماء سيراف، وكان مجوسيا على دين الهند، وكان عندهم امينا يقبلون قوله ويستودعونه اموالهم واولادهم فاسلم وحسن اسلامه[3]	(یہ سیراف کے بڑے لوگوں میں تھا) ہندوستانیوں کے مذہب پر مجوسی تھا اور اپنی قوم میں بڑا امانتدار مانا جاتا تھا لوگ اس کی بات کو مانتے تھے اور اپنا مال اور اپنی اولاد اس کے یہاں امانت رکھتے تھے، بعد میں وہ اسلام لایا اور پکا مسلمان بن گیا،

[1] الملل والنحل ج ۱ ص ۱۴۰ [2] لسان العرب ج ۳ ص ۵۱۸ [3] رجال السند والہند ص ۲۶۷

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں موجود ہندوؤں کو زمانۂ اسلام میں فرقہ صابئہ اور مجوس میں شمار کیا گیا، اور ان کے اسلام نہ قبول کرنے کی صورت میں ان کے ساتھ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں وہی معاملہ کیا گیا جو بحرین، عمان، ہجر، خط اور یمن وغیرہ میں آباد عجمیوں اور مجوس و صابئہ کے ساتھ کیا گیا تھا، جیسا کہ معلوم ہوگا،

عرب کے ہنود اور دعوتِ اسلام

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ہندوستان کے لوگ عرب میں یوں تو اکثر مقامات میں موجود تھے، اور حضری اور بدوی دونوں قسم کی زندگی بسر کرتے تھے، مگر عرب کے سواحل میں خلیج عربی سے لیکر یمن کے اطراف تک میں خاص طور سے بکثرت تھے، ان میں کچھ تو تجارتی کاروبار کرتے تھے، کچھ ایرانیوں کے ماتحت سیاست و حکومت کے کاموں میں دخیل تھے، اور کچھ آزاد زندگی بسر کر کے اپنا ذریعۂ معاش تلاش کرتے تھے،

عرب کے ان مشرقی اور جنوبی سواحل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں اسلام کی دعوت عام فرمائی، جہاں اساورہ، ان کی اولاد، ابنائے یمن، سیابجہ اور زط عام طور موجود تھے، اس لیے یہاں کے فرس اور مجوس عربوں کی طرح بہت سے یہ عجمی باشندے بھی اسلام لائے، جن میں ایرانی، ہندی، سندھی اور حبشی وغیرہ سب ہی شامل تھے،

یمن میں دعوتِ اسلام اور وہاں کے ہندوستانی

عرب کے ان عجمیوں میں ہماری تحقیق میں سب سے پہلے یمن کے علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام عام ہوئی اور یہاں کے عربی باشندوں کی طرح عجمی باشندے بھی مسلمان ہوئے، یمن کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے کہ کسریٰ انوشیرواں کے وقت میں یہاں پر سندھیوں کی بڑی تعداد موجود تھی، ان کی قوت و شوکت کا حال یہ تھا کہ جب حبشیوں نے یمن پر قبضہ کیا تو انوشیرواں نے وہاں کے عرب حاکم سیف بن ذی یزن سے دریافت کیا کہ

الی الاغربة الحبشة اھ السند[1]

کن اجنبی لوگوں نے قبضہ کیا ہو؟ حبشی یا سندھی؟

بعد میں اسی یمن کے ایرانی حاکم حضرت باذان رضی اللہ عنہ سنہ ۶ یا سنہ ۷ نبوی میں اسلام لائے، سیرت ابن ہشام میں ہے کہ یمن پر کسریٰ کے قبضہ کے بعد پہلا ایرانی حاکم وہرز ہوا، پھر اس کا بیٹا مرزبان، پھر اس کا بیٹا تینجان، پھر اس کے بیٹے کو کسریٰ نے یمن کی حکومت دی، مگر بعد میں اسے معزول کر کے باذان کو حاکم بنایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک وہاں کا حاکم رہا، چنانچہ جب کسریٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ہوئی تو اس نے باذان کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مکہ میں قریش کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، لہذا تم اس کے پاس جاؤ اور اس دعویٰ سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کرو، اگر وہ توبہ کرلے تو خیر ورنہ اس کا سر قلم کر کے میرے پاس بھیجدو، باذان نے خود جانے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسریٰ کا یہ خط بھیجدیا، آپ نے باذان کو جواب میں تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ کسریٰ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل کر دیا جائیگا، جب باذان کے پاس یہ نامۂ نبوی آیا تو اس نے صورتِ حال کے انتظار میں اس کو روکے رکھا کہ اگر یہ شخص نبی برحق ہوگا تو اس کی بات سچ ہو کر رہے گی، اور ایسا ہی ہوا کہ رسول اللہ نے جس دن کسریٰ کے قتل ہونے کی خبر دی تھی، اسی دن اس کے لڑکے شیرویہ نے اس کا کام تمام کر دیا، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کسریٰ کے قتل کی تاریخ شب دوشنبہ ۱۰ جمادی الاخری سنہ ۷ بتائی ہے،[2] باذان یہ معجزہ دیکھ کر اپنے ساتھیوں سمیت مسلمان ہو گیا،

فلما بلغ ذلک باذان بعث باسلامہ[3]

جب باذان کو کسریٰ کے قتل کی خبر پہنچی تو

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳ وکتاب التیجان ص ۳۰۴ وتاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۶ [2] فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۴

واسلم من معہ من الفرس	انھوں نے اپنے اور اپنے ساتھی ایرانیوں
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کے مسلمان ہونے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فقالت الرسل من الفرس لرسول اللہ	کی خدمت میں بھیجدی، اور ان ایرانی
صلی اللہ علیہ وسلم الی من نحن	قاصدوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یا رسول اللہ قال انتم منا	سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا شمار کن
والینا اھل البیت[1]	لوگوں میں ہوتا ہے، آپنے فرمایا تم لوگ ہمارے
	اہل بیت میں شمار کئے جاؤ گے۔

کتاب السیرۃ المحمدیۃ والطریقۃ الاحمدیہ میں ہے کہ جب باذان کے پاس کسریٰ کے مرنے کی خبر آئی تو وہ بیمار تھے، ان کے اساورہ نے جمع ہوکر دریافت کیا کہ کسریٰ کے قتل ہوجانے کے بعد اب ہم کس کو اپنا امیر و حاکم بنائیں، انھوں نے ان کو اسلام قبول کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا مشورہ دیا،

فاجتمعت لہ اساورتہ فقال	اساورہ نے ان کے پاس جمع ہوکر کہا کہ
من نؤمر علینا؟ فقال اتبعوا	اب ہم کس کو اپنا امیر بنائیں تو انھوں نے
ھذا الرجل وادخلوا فی دینہ	مشورہ دیا کہ اس آدمی (رسول صلعم) کی اتباع
واسلموا[2]	کرو اور انکے دین میں داخل ہوکر مسلمان ہو جاؤ۔

حضرت باذان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی اساورہ، شاہ ایران کے گماشتے تھے، مگر جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے، شاہان ایران کی فوج میں ہندوستان کے جاٹ اور میدھ بھی شامل تھے، اور ہندوستان کے فوجی سواروں کو بھی اساورہ کہا جاتا تھا، جو بڑی تعداد میں ایرانی اساورہ کیسا تھ

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۹ [2] سیرت محمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی پرویز بن ہرمز بن انوشیروان طبع مصر،

عرب میں پائے جاتے تھے، اس لیے حضرت باذانؓ اور دوسرے مسلمان ہونے والے اساورہ کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ایرانی تھے یا ہندوستانی یا دونوں تھے، بعض قرائن سے حضرت باذانؓ کا ہندوستانی ہونا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں ان کا تذکرہ تین نسبتوں سے کیا: (۱) باذان الفارسی (۲) باذان ملک الہند (۳) باذان ملک الیمن، ان تینوں ناموں میں باذان سے مراد یہی حضرت باذانؓ ہیں، جنھوں نے کسریٰ کے قتل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے اور اساورہ کے اسلام لانے کی خبر بھیجی تھی، ان کے تذکرہ میں ہے کہ

(۱) باذان الفارسی، یمن کے ابناء میں سے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام لائے، وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اسود عنسی کے قتل میں حصہ لیا، ابن اثیر نے ہے کہ

(۲) باذان ملک الھند، ذکرہ	باذان ملک الہند کے تذکرہ میں ابن مفرز
ابن مفرز قال لما قتل کسریٰ	نے لکھا ہے کہ جب کسریٰ قتل کردیا گیا تو
بعث باذان باسلامہ و	انھوں نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے
اسلام من معہ الی رسول اللہ	اسلام کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
صلی اللہ علیہ وسلم حکاہ ابن ھشام	خدمت میں بھیجدی جیسا کہ ابن ہشام کا بیان ہے،

(۳) پھر لکھا ہے کہ باذان ملک الیمن کا تذکرہ واقدی نے سبا کے اسلام لانے والوں میں کیا ہے اور قول ہے کہ یہ وہی باذان ہیں جنھوں نے اسود عنسی کے قتل میں کام کیا ہے[1]۔

ان تینوں ناموں میں اس طرح تطبیق دیجا سکتی ہے کہ حضرت باذانؓ تینوں نسبتوں سے

[1] تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۴۵ طبع حیدرآباد،

تاریخ میں متعارف ہیں، فارسی اس لیے کہلاتے ہیں کہ فارس کے رہنے والے تھے، کامل ابن اثیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت باذانؓ کا خاندان خراسان کے شہر مرد الروذ کا تھا، چنانچہ عہد عثمانی میں ۳۱ھ میں جب حضرت احنف بن قیسؓ نے خراسان کو فتح کرکے مرد الروذ پر فوج کشی کی تو وہاں کے ایرانی حاکم نے جو حضرت باذانؓ کا قرابتدار تھا، صلح کرلی، اور اس قرابت کو صلح کے لیے بہانہ بنایا،

وکان مرزبانها من اقارب	مرد الروذ کا حاکم باذان صاحب یمن
باذان صاحب الیمن فکتب	کے رشتہ داروں میں سے تھا، اس نے
الی الاحنف انه دعانی الی	احنف کو لکھا کہ میری صلح کا باعث
الی الصلح اسلام باذان فصالحه	باذان کا مسلمان ہوجانا ہے، چنانچہ
علی ستمائة الف۔[1]	اس نے حضرت احنفؓ سے چھ لاکھ سالانہ پر صلح کرلی

اس تصریح سے حضرت باذانؓ کا فارسی ہونا بالکل واضح ہوجاتا ہے، اور ملک الیمن ہونا بھی اس لیے صحیح ہے کہ کسریٰ نے تبنجان کے بیٹے کو یمن کی حکومت سے معزول کرکے باذان کو وہاں کا حاکم بنایا، اور ان کی حکومت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک رہی، یہانتک کہ وہ مسلمان ہوگئے،

باقی رہا باذان کا ملک الہند ہونا کہ ان کا خاندان پہلے ہندوستان میں کسی جگہ حکمراں رہا ہو، اور یہاں کے بے شمار راجوں مہاراجوں کی طرح کسی علاقہ کی حکومت یا کسی مہاراجہ کی نیابت حاصل رہی ہو، اور بعد میں اس خاندان نے فارس جاکر ایرانی دربار میں اپنی حاکمانہ صلاحیت کا ثبوت دیا ہو، اور شاہان ایران نے مرد الروذ کی مرزبانیت یعنی نیابت عطا کردی ہو

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۸

جس طرح ہندوستان کے اساورہ ایرانیوں کی فوج اور حکومت میں رہا کرتے تھے، مگر حافظ ابن حجر کے نزدیک حضرت باذانؓ کے ملک الہند ہونے میں کلام ہے، انھوں نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ باذان الفارسی اور باذان ملک الیمن دونوں قطعاً ایک ہی شخص ہیں اور باذان ملک الہند کے بارے میں خیال ہے کہ اسے ملک الیمن ہونا چاہیے،

قوله ملك الهند فيه نظر و	ذہبی نے باذان کو جو ملک ہند بتایا ہے
الصواب ملك اليمن[1]	اس میں نظر اور کلام ہے اور صحیح ملک یمن ہے،

صاحب سیرۃ محمدیہ نے بھی حافظ ابن حجر کی موافقت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ولعله صحف فی لفظ ملك الهند لعله ملك	شاید ملک ہند میں سہو ہوگیا ہو اور شاید
اليمن فكتب كلمة الهند مكان اليمن والله اعلم[2]	ملک یمن ہو، اور یمن کی جگہ ہند لکھ دیا ہو،

حافظ ابن حجر کا خیال مسلم ہے، مگر حافظ ذہبی کے خیال کو بھی اگر صحیح تسلیم کرلینے کی وجہ ملجائے تو یہ ایک حافظ حدیث، مورخ اسلام اور امام علم وفن کی طرف غلطی یا تصحیف کی نسبت سے بہتر ہوگا، جو حافظ ابن حجر سے کسی طرح کم درجہ کے نہیں ہیں، ہم نے حضرت باذانؓ کو ملک ہند کہنے کی جو وجہ بیان کی ہے، گو وہ زیادہ قوی نہیں ہے، مگر قابل غور ضرور ہے، اور اس سے حافظ ذہبی کی بات سمجھ میں آسکتی ہے،

اسی علاقہ یمن کے ایک خالص ہندوستانی بزرگ حضرت بیرزطنؓ ہندی یمنی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ ہندوستانی طریقۂ علاج کے ماہر طبیب تھے، انھوں نے بڑی عمر پائی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام قبول کیا، لیکن آپ سے ملاقات کا ثبوت نہیں ملتا، حافظ ابن حجر نے ان کا تذکرہ الاصابہ کی تیسری فصل میں کیا ہے، جس میں ایسے حضرات کا بیان ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانۂ مبارک پایا ہے اور آپ کی حیات طیبہ ہی میں یا اس کے بعد اسلام لائے۔

---

[1] الاصابہ ج ۱ ص ۱۷۹ طبع جدید مصر [2] السیرۃ المحمدیہ فی ذکر کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بردیزبن ہرمزبن کسری

ان کا تذکرہ اصابہ میں اس طرح ہے کہ شیخ حسن بن محمد شیرازی نے کتاب السوانح میں اپنے شیخ جعفر بن محمد شیرازی کی روایت سے لکھا ہے:-

بیرزطن الہندی، شیخ کان فی زمن الاکاسرۃ لہ خبر مشہور فی حشیش القنب وانہ اول من اظہرھا بتلک البلاد، واشہر امرھا عنہ بالیمن، ادرک ھذا الشیخ الاسلام فاسلم۔[1]

بیرزطن ہندی، شاہان ایران کے زمانہ میں ایک بوڑھے آدمی تھے، بھنگ کے علاج میں ان کا واقعہ مشہور ہے، اس کو ان اطراف میں سب سے پہلے انھی نے رواج دیا تھا، اور یمن میں اس کی شہرت انکی وجہ سے ہوئی، انھوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسے قبول کیا۔

حضرت بیرزطن ہندی رضی اللہ عنہ وہ پہلے خوش قسمت ہندوستانی ہیں، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یا کم از کم آپ کے زمانہ سے قریب تر عہد پایا، اس قرب زمانی کے ساتھ ساتھ قرب مکانی میں بھی پہلے ہندوستانی باشندے ہیں،

حضرت باذان حاکم یمن اور ان کے اساورہ کے اسلام لانے کے بعد جن میں ایرانی، ہندوستانی اور سندھی سب ہی شامل تھے، یمن اور اطراف میں عربوں کی طرح عام عجمی باشندے بھی اسلام لائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے مسلمانوں پر حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ جلد ۱ ص ۱۷۸، طبع جدید مصر، میں نے قدیم مصری نسخہ پر اعتماد کر کے جو کلکتہ اور مصر کے مطبوعہ کو سامنے رکھ کر چھپا تھا، رجال السند والہند ص ۶۰ میں ان کا نام بیرطن ہندی لکھا ہے، مگر اصابہ کے جدید نسخہ میں بیرزطن ہے اور اسکی صحت کے بارے میں درج ہے کہ "قوبلت ھذہ الطبعۃ علی عدۃ نسخ بدار الکتب المصریۃ وعلی جملۃ نسخ مطبوعۃ بمصر" اسلئے اب بیرزطن ہی کو صحیح سمجھنا چاہیے۔

کو اپنا حاکم مقرر فرمایا، طبری کا بیان ہے:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توفی، وقد فرق فیہم عمالہ فکان الزبرقان ابن بدر علی الرباب، وعوف والابناء فیما ذکر السری[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اس حال میں ہوا کہ آپ اپنے عمال کو عربوں میں مقرر فرما چکے تھے، چنانچہ زبرقان بن بدر کو قبیلہ رباب پر، اور عوف کو ابنائے یمن پر مقرر فرمایا تھا جیسا کہ سدی نے ذکر کیا ہے۔

(باقی)

رجال السند والہند (عربی)

اس میں ہند و سندھ کے ان قابل ذکر ارباب کمال کا تذکرہ و تعارف ہے جو ان علاقوں میں پیدا ہوئے، یہیں زندگی گذاری یا پھر کسی غیر ملک میں گئے، اور وہاں کی آب و ہوا ایسی دامنگیر ہوئی کہ وہیں پیوند خاک ہو گئے، اسی طرح اس میں ان اہل علم کا بھی ذکر آگیا ہے جو تھے تو ہندی الاصل لیکن پیدا ملک کے باہر ہوئے، اور وہیں ساری زندگی گذاردی، اس میں پہلی صدی سے لیکر ساتویں صدی ہجری تک کے محدثین، فقہاء، متکلمین، مورخین، شعراء و ادباء وغیرہ کے حالات زندگی اور ان کے علمی کارناموں کی تفصیل آگئی ہے۔

۳۲۸ صفحے، قیمت:- عـہ

منیجر

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۳۱

"عہد عتیق" کے ایک واقعہ کی تحقیق

از جناب محمود الحسن صاحب ایم اے، ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

دنیا کی تمام قومیں چاہے وہ زندہ ہوں یا انھیں گردشِ روزگار نے ختم کر دیا ہو، ان کے دور ماقبل تاریخ کو قیاس، مفروضات اور مائتھولوجی سے گہرا ربط رہا ہے، لیکن جدید سائنسی علوم اور اور آلات کی مدد سے ان کے بارے میں جو معلومات مہیا کیے گئے ہیں، بالخصوص اثریات، علم اللسان اور علم الانسان نے مختلف نسلوں، انسانی گروہوں کی قدامت، ان کے محل قیام، مقامی تبدیلیوں اور زمانی تعین کے بارے میں جو دلچسپ معلومات فراہم کیے ہیں وہ تاریخ انسانی کے قدیم ترین گوشوں کو بڑی حد تک روشن کر دیتے ہیں، اس لیے آج کوئی شخص انسانی تاریخ کے قدیم ترین عہد کے بارے میں کوئی باوزن اور معقول بات اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ مذکورۂ بالا علمی تحقیقات سے فائدہ نہ اٹھائے۔ اس سے استفادہ کیے بغیر اس دور کی روایات و قصص کی بنیاد پر کوئی حتمی نتیجہ نکالنا نہ تو علم ہی کی کوئی خدمت ہے اور نہ ایسے کام کا کوئی تحقیقی وزن ہوتا ہے، جولائی ۱۹۶۲ء کے "فکر و نظر" علی گڈھ میں ایک مضمون بعنوان "عہد عتیق کی تاریخ اور اس کے مصادر" شائع ہوا ہے، اس مضمون میں مقالہ نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملوک حمیر نے چین و تبت کی تسخیر کی تھی، اور وہاں وہ آباد بھی ہوئے تھے، اس سلسلہ میں انھیں بعض روایتیں بھی مل گئیں ہیں جن سے انھوں نے استدلال کیا ہے،

ان روایتوں میں سے ایک روایت جسے بعض مورخین عرب بڑے شوق سے نقل کرتے ہیں،

اور جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، دعبل بن علی الخزاعی کی وہ رباعی ہے جس میں اس نے فخر و مباہات کے طور پر کمیت کے بالمقابل یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کے قبیلہ کے لوگوں نے چین و تبت کو فتح کیا تھا، لیکن دراصل عرب تاریخ نگاری اسلام کے بعد شروع ہوتی ہے، اسلام سے پہلے وہ اپنے آباء و اجداد کے کارنامے حافظہ کے ذریعہ محفوظ رکھتے تھے، گو وہ اس کام میں بہت توجہ اور احتیاط برتتے تھے، پھر بھی قبائلی عصبیت، باہمی تصادم اور فخر و مباہات کا مقابلہ انھیں مبالغہ سے روک نہیں سکتا تھا، چنانچہ شاعر اپنے قبیلہ کی شجاعت و شہامت، فیاضی و سخاوت، غیرت و حمیت کو بڑے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا تھا، اس لیے میرا خیال ہے کہ دعبل خزاعی کی یہ رباعی بھی تخیلی استعارہ کے سوا کچھ نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ جن مورخین نے اس افسانہ کو بیان کیا ہے وہ بھی اس کے صحیح ہونے پر شک ظاہر کرتے ہیں، اور بعض نے تو کھل کر اس پر تنقید کی ہے، تاریخ طبری جو عہد عتیق کے بارے میں رطب و یابس کا مجموعہ ہے اور جسے ابن اثیر نے اپنی تاریخ الکامل کا ماخذ قرار دیا ہے، وہی اس روایت کا ذریعہ ہے، اس لیے وہ اس کو نقل کر کے گذر جاتا ہے، مگر ابن اثیر اس روایت پر مورخانہ تنقید بھی کرتا ہے، جس سے اس کی ژرف نگہی کا پتہ چلتا ہے، قبل اس کے کہ ابن اثیر کی روایت کو نقل کیا جائے، اصل روایت کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"حارث بن عمر نے تبع کے پاس جو یمن کا بادشاہ تھا، یہ کہلا بھیجا کہ وہ بلاد عجم کی طرف توجہ کرے، چنانچہ وہ روانہ ہوا، سب سے پہلے وہ حیرہ آیا اور اپنے بھتیجے شمر ذالجناح کو قباذ سے لڑنے کے لیے بھیجا، قباذ نے شکست کھائی اور رے میں پناہ لی، شمر نے وہاں پہنچ کر قباذ کو قتل کر دیا، پھر تبع نے شمر کو خراسان کی مہم پر اور اپنے بیٹے حسان کو سغد کی مہم پر روانہ کیا اور کہا تم میں سے جو بھی پہلے چین پہنچے گا وہی اس کا مالک ہوگا، دونوں کے پاس

عظیم الشان لشکر تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد چھ لاکھ چالیس ہزار تھی، اور اپنے ایک اور
بھتیجے یعفر کو روم کی مہم پر روانہ کیا، وہ قسطنطنیہ آیا، یہاں لوگوں نے اطاعت قبول کر کے
خراج ادا کر دیا، پھر وہ رومیہ کی طرف بڑھا، اس کا محاصرہ کیا، مگر فوج میں طاعون
پھیل جانے کی وجہ سے رومی اس پر ٹوٹ پڑے اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا،
ان میں سے ایک فرد بھی نہ بچ سکا، ادھر شمر ذوالجناح نے سمرقند کا محاصرہ کیا مگر کامیاب
نہیں ہو رہا تھا کہ اسے معلوم ہوا یہاں کا بادشاہ احمق ہے، اور اس کی لڑکی معاملات
حکومت کی دیکھ بھال کرتی ہے، تو اس نے اس کے پاس تحفہ بھیجا، اور کہا میں تم سے
شادی کرنے آیا ہوں، میرے پاس سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے تابوت ہیں،
میں اسے تمھاری خدمت میں پیش کروں گا، میرا ارادہ چین کا ہے، اگر میں نے اس کو
فتح کر لیا تو تم میری بیوی ہوگی، اور اگر ہلاک ہو گیا تو یہ مال تمھارا ہوگا، جب یہ پیغام
لڑکی کو ملا تو اس نے قبول کر لیا، اور مال کا مطالبہ کیا، شمر نے چار ہزار تابوت بھیج دیے،
ہر تابوت میں دو سپاہی تھے، سمرقند کے چار دروازے تھے، ہر دروازہ پر دو ہزار آدمی
متعین تھے، شمر نے اپنے آدمیوں کے لیے یہ علامت مقرر کر دی کہ جب گھنٹی بجائی جائے
تو وہ تابوت سے نکل پڑیں، چنانچہ جب یہ شہر میں داخل ہوئے تو گھنٹی بجی، اور شمر
کے آدمی تابوت سے نکل پڑے، اور دروازے پر قبضہ کر لیا، پھر شمر داخل ہوا،
اس نے لوگوں کو قتل کیا، اور مال و دولت پر قبضہ کرنے کے بعد چین روانہ ہوا،
اور ترکوں کو شکست دے کر چین میں داخل ہوا، وہاں حسان بن تبع سے ملاقات ہوئی
جو تین سال قبل وہاں پہنچ چکا تھا، دونوں نے وہیں قیام کیا اور وہیں مر گئے، ان کے
قیام کا زمانہ اکیس سال بتایا جاتا ہے، یہ بھی ایک روایت ہے کہ دونوں تبع کے

پاس مال و دولت لیکر آئے اور پھر واپس چلے گئے[1]۔"

جس تبع کی جانب یہ عظیم الشان اور حیرت انگیز مہم منسوب کیجاتی ہے، وہ آخری تبع یعنی
حسان بن اسعد ابوکرب تھا، دوسری کتابوں میں یہ بھی ملتا ہے کہ "تبع کی قوم خراسان، تبت
چین اور سجستان میں آباد ہوئی" (ملاحظہ ہو مروج الذہب برحاشیہ کامل جلد چہارم ص ۵)
اسی روایت کا ذکر ابن خلدون بھی کرتا ہے، "لوگوں کا خیال ہے کہ تبع کی اولاد نے چین فتح کرنے
کے بعد حمیر کے قبائل چین میں آباد کیے جو اب تک موجود ہیں" (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲)

لیکن عرب مورخین نے بھی اس روایت کو بے بنیاد قرار دیا ہے، اپنی تاریخی بصیرت اور
تنقیدی فکر کے ذریعہ کمزور ثابت کیا ہے، اس سلسلہ میں ابن اثیر لکھتا ہے:-

"قباذ کو مقام رے میں قتل کرنے اور تبع کے بلاد فارس پر حاکم ہونے کا واقعہ بے ترتیب
ہے، میں نے چونکہ اس اصول کی پابندی کی ہے کہ ابوجعفر کی تاریخ سے کوئی بات بھی معنوی
طور پر کم نہیں کروں گا، اس لیے اس واقعہ کو بھی نقل کر دیا، ورنہ یہ تذکرہ کے قابل بھی نہیں،
اس روایت کے غلط ہونے کے متعدد اسباب ہیں، اس نے لکھا ہے کہ قباذ کو مقام رے میں
قتل کر دیا گیا، حالانکہ اہل فارس اس پر متفق ہیں کہ قباذ کی موت کا زمانہ معلوم ہے اس روایت
کے علاوہ یہ کہیں نہیں ملتا کہ وہ قتل کیا گیا ہے، جب قباذ کا انتقال ہوا تو کسریٰ انوشیرواں
اس کا جانشین ہوا، یہ بھی اظہر من الشمس ہے، اگر حکومت اہل فارس سے منتقل ہو کر لوگ حمیر کے
پاس جاتی تو قباذ کے بعد اس کا بیٹا کس طرح جانشین ہوتا اور اس کی حکومت اتنی منضبط
ہوتی کہ دیگر اقوام کے بادشاہوں نے اطاعت کا اظہار کیا، بادشاہ روم نے اسے خراج
ادا کیا، پھر طبری لکھتا ہے کہ تبع نے اپنے بیٹے حسان کو چین بھیجا اور شمر کو سمرقند، نیز اپنے بھتیجے
یعفر کو روم کی مہم پر روانہ کیا جو قسطنطنیہ پر قابض ہو کر روم کی طرف بڑھا اور اس کا محاصرہ

[1] تاریخ الکامل لابن اثیر ج اول ص ۴۶-۱۴۵

کیا، اگر غور کیجیے کہ یمن کی کیا حیثیت اور حضرموت کی کیا حقیقت تھی کہ ان کے پاس اتنا بڑا لشکر جرار ہوتا جو اندرونی قیام امن کے علاوہ دوسرے کاموں میں استعمال کیا جا سکتا، کہ ایک لشکر تبع کی سرکردگی میں برسر جنگ ہے، دوسرا حسان کی سرگرمی میں چین جیسے ملک کے خلاف برد آزما ہو جسکے پاس جنگجو سپاہیوں کی کثرت ہے، تیسرا لشکر حسان کے بھتیجے کی قیادت میں کسریٰ جیسے عظیم الشان شہنشاہ سے زور آزما ہو اور اس پر قبضہ کر کے اسی لشکر کے ذریعہ سمرقند جیسے وسیع اور عظیم شہر کا محاصرہ کرے، اسی پر اکتفا نہیں بلکہ یعفر کی سرکردگی میں بہت بڑی فوج قسطنطنیہ کی جانب پیش قدمی کرتی ہے، اس پر قبضہ کر کے روم کا محاصرہ کر لیتی ہے، حالانکہ مسلمانوں نے اپنے ممالک کی کثرت وسعت اور تعداد کے باوجود جب قسطنطنیہ یا اسکے پاس پڑوس علاقوں پر قبضہ کرنا چاہا، تو انھیں ناکامی ہوئی، یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ یمن اپنے حدود اربعہ کے اعتبار سے سب سے چھوٹا اسلامی ملک ہے، اسکی فوج بھی مختصر ہے پھر آخر یمن کی فوج کا ایک حصہ تبع کی سرکردگی میں کیسے قسطنطنیہ پر قابض ہو سکتا ہے، اس کو عقل سلیم کبھی بھی تسلیم نہیں کرتی۔"

ابن اثیر نے جو دلائل دیے ہیں وہ بڑا وزن رکھتے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی کے اس مورخ نے اس واقعہ کے جانچنے میں کتنے گہرے تاریخی شعور سے کام لیا ہے، یہ ظاہر ہے جو لوگ زمانۂ ماقبل تاریخ کے واقعات کو جانچنے بیٹھیں گے تو انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہوگا، ان کو تجزیہ، تنقید اور معروضی انداز فکر سے مدد لینا پڑے گا، اگر فکر و نظر کے مضمون نگار نے بھی یہ انداز اختیار کیا ہوتا تو وہ بالکل ہی مختلف نتیجے پر پہنچتے، اور ان کو خوا مخواہ سید سلیمان ندویؒ کی عالمانہ تحقیق سے الجھنے کی ضرورت نہ پیش آتی،

اسی روایت پر مشہور فلسفی مورخ ابن خلدون ایک اور زاویہ سے روشنی ڈالتا ہے، اسکی بحث کا طریقہ عقل پر مبنی ہے، اس نے محض مورخ ہی نہیں بلکہ ایک جغرافیہ داں کی حیثیت سے بھی اس پر تنقید کی ہے، وہ لکھتا ہے:-

"یہ تمام واقعات صداقت سے بعید ہیں، ان کی بنیاد وہم اور غلطی پر ہے، یہ من گھڑت کہانیوں سے مشابہ ہیں، کیونکہ تبابعہ کا ملک جزیرۂ عرب میں تھا اور اس کا مرکز یمن تھا، اس جزیرہ کو سمندر تین سمتوں سے گھیرے ہوئے ہے، جنوب میں بحر ہند، مشرق میں بحرۂ فارس بصرہ تک چلا گیا ہے، اور مغرب میں بحر سویس مصری علاقوں تک پھیلا ہوا ہے، جس کا اندازہ نقشہ دیکھنے سے ہوتا ہے، اس لیے یمن سے مغرب کی سمت جانے کے لیے سویس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں، بحر سویس اور بحر شام کا درمیانی فاصلہ دو منزل ہے، یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ایک زبردست بادشاہ اتنے بڑے لشکر جرار کو لیکر اس راستے سے نکل جائے اور وہ سرزمین اس کے قلمرو میں نہ ہو، اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس سرزمین میں عمالقہ، شام میں کنعانی اور مصر میں قبطی تھے، پھر جب عمالقہ مصر پر قابض اور بنو اسرائیل شام کے حکمراں ہوئے تو عمالقہ نے ان سے جنگ کی ہو، اور اس علاقہ کے کسی چھوٹے قریہ پر بھی وہ قابض ہوئے ہوں، سمندر کے راستہ کو دیکھتے ہیں تو مغرب تک بڑا بُعد دکھائی دیتا ہے، ایک لشکر کے لیے بہت سا زاد سفر اور چارہ درکار ہے، اس لیے اگر وہ اس راستہ سے نکلے تو جن غیر ممالک سے گذرے ہوں گے تو ان کی زراعت اور مویشی کو لوٹتے کھسوٹتے گذرے ہوں گے، جو کافی نہیں ہو سکتا، اگر یہ کہا جائے کہ ضروری چیزیں اپنے ملک سے وافر مقدار میں لیکر نکلے ہوں گے تو اسے لادنے کے لیے اتنے جانور کہاں سے ملے، اس لیے سوائے اسکے کوئی اور چارہ نہیں رہ جاتا کہ وہ اپنا تمام سفر اسی زمین سے طے کریں جس پر وہ قابض ہوں

تاکہ ضروریات اور سامان رسد وہاں سے مہیا ہوتا جائے، اور اگر یہ فرض کیا جائے
کہ فوج اس ملک کے رہنے والوں سے بغیر چھیڑ چھاڑ کے صلح و آشتی کے ساتھ ضروری
سامان لیتی ہوئی نکل گئی تو یہ اور بھی ناممکن اور خلاف عقل ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے
کہ یہ واقعات بالکل لغو اور موضوع ہیں۔"

آگے چل کر اس واقعہ کے دوسرے حصہ پر بھی اظہار خیال کرتا ہے۔

"رہا بلاد شرق اور ارض ترک پر حملہ تو اس کا راستہ اگرچہ سویس کے راستہ سے زیادہ
وسیع ہے لیکن اس کا فاصلہ بہت ہے۔ اور فارس و روم کی سلطنتیں اور قومیں درمیان میں
حائل ہیں، اور تاریخ میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ تبابعہ نے فارس اور روم پر قبضہ کیا ہو، اور جب
وہ فارس سے لڑے بھی تو عراق کے حدود میں بحرین وغیرہ کے آس پاس، دجلہ و فرات
کے درمیانی علاقوں میں یہ لڑائیاں ذی الاذعار اور کیکاؤس، ابوکرب تبع، گشتاسب
اور قباد کے درمیان، کیانیوں اور ساسانیوں کے بعد ملوک الطوائف اور دیگر تبابعہ
میں ہوئیں، کیونکہ ان کی سرحدیں ملتی تھیں، لیکن ترک و تبت پر حملہ کرنا محال اور بعید از
قیاس ہے، کیونکہ روم و فارس کی قومیں سامنے پڑتی تھیں، اور بُعد مسافت کے علاوہ
اس کے لیے بعید سامان اور زادِ سفر درکار تھا، اس بنا پر یہ واقعہ مہمل ہے۔"

اس واقعہ کی تردید میں ابن خلدون کے زور استدلال کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت
باقی نہیں رہ جاتی، تاہم اس مسئلہ پر ایک اور نقطۂ نظر سے بھی دیکھنا ہے، یہ واقعہ ہے کہ جب ایک
ملک سے دوسرے ملک کا کسی قسم کا رابطہ ہوتا ہے تو تاریخ میں ضرور اس کا ذکر ہوتا ہے، اس لیے
اس واقعہ کے سلسلہ میں ہمیں چینیوں کی تاریخ سے مدد لینی چاہیے، چین کا ملک قدیم زمانہ سے
تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے، ہانگ ہو اور یانگ ٹسی کی (Hwang Ho and Yaung Tse)

وادیوں میں آباد چینی اپنے دور کے ترقی یافتہ فلسفہ کے مالک تھے، ان کی تاریخ بہت پرانی ہے
وہ اپنے بادشاہوں کے خاندان کا آغاز Hia خاندان سے کرتے تھے، ان کے خیال میں یہ پہلا
شاہی خاندان ہے، اس کے بعد دوسرا خاندان Chong کہلاتا تھا، اس خاندان میں چھ
صدیوں تک حکومت رہی، یہ دور بارہویں صدی قبل مسیح پر ختم ہو جاتا ہے، پھر ایک اور
خاندان Chow اس کا جانشین ہوا، اس کا دور حکومت ۱۱۲۲ ق م سے شروع ہو کر
۲۵۵ ق م پر ختم ہوتا ہے، اس دور کے تاریخی مواد کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے
کہ چین اس زمانے میں متعدد ریاستوں میں منقسم تھا، ان میں ڈھیلا وفاق تھا، اس دور کے
سیاسی حالات کا نقشہ چینی نمائندے لیانگ چی چاؤ نے جس نے ۱۹۱۹ء کی پیرس کانفرنس میں شرکت
کی تھی، ان الفاظ میں کھینچا ہے:-

"آٹھویں اور چوتھی صدی ق م کے درمیان یانگ ہو اور ہانگ ٹسی کی وادیوں میں پانچ
چھ ہزار کے لگ بھگ ریاستیں تھیں، ان میں تقریباً ۱۰ ایسی ریاستیں تھیں جو غالب تھیں،
چین کی سرزمین مسلسل جنگوں کی آماجگاہ تھی، اسے ہم انتشار کا دور کہہ سکتے ہیں۔"[1]

اسی سیاسی انتشار کا تذکرہ دوسرے مورخین بھی کرتے ہیں:-

"اس وقت کے چین کی سیاسی حالت اٹھارہویں صدی کے جرمن وفاق کے مشابہ
تھی، کچھ زمانہ گزرنے کے ساتھ چند ماتحت ریاستیں اتنی طاقتور ہو گئیں کہ ان کے حکمرانوں
نے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا، چاؤ خاندان کا پورا دور انھیں ریاستوں کے باہمی
تصادم میں گذرا، شروع میں ایک ریاست غلبہ حاصل کرتی، پھر بعد میں اس کی جگہ دوسری
ریاست لے لیتی تھی۔"[2]

---

[1] Out line of history by H.G Wells P 178
[2] A sketch of Chinese history by F.L Hawk P.21

ایک اور چینی مورخ لکھتا ہے :۔

"ابتدائی ساڑھے چار صدیوں کے بعد جو نسبتہً توسیع پسندی اور امن کا دور ہے دار السلطنت مشرق کی جانب منتقل کر دیا گیا، کیونکہ ۷۷۱ءھ قوم میں شمال مغرب کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا، اس کے بعد ریاستوں میں باہمی تصادم کا سلسلہ نظر آتا ہے، مرکزی حکومت کی گرفت جاگیرداروں پر تیزی سے ڈھیلی ہو رہی تھی"۔[1]

مورخین کے ان بیانات سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ جس دور میں شمر کی فتوحات کا تذکرہ ملتا ہے، چین اس زمانہ میں اندرونی انتشار سے گذر رہا تھا، کیونکہ شمر کا زمانہ تین سو سال قبل مسیح کا ہے، چاؤ خاندان ان صدیوں میں اپنی زندگی کے آخری لمحات پورا کر رہا تھا، ایسے وقت میں جب ملک زوال اور سیاسی انتشار کا شکار ہو، بیرونی طاقتوں کو حملہ کرنے کا موقع ملتا ہے" لیکن اس کے باوجود ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے ثابت ہوتا ہو کہ ملوک حمیر کے کسی حکمران نے چین پر حملہ کیا ہو، اگر کسی قوم کا تذکرہ ہے تو وہ تاتاری ہیں، کیونکہ ان کی سرحدیں چین سے ملتی تھیں، ان میں باہم جھڑپیں بھی ہوتی رہتی تھیں، اس کا تذکرہ D.C. Boulger نے اپنی کتاب A short history of China میں اس طرح کیا ہے :۔

"چاؤ خاندان کے بانی نے اپنے آپ کو قوم کا محسن ثابت کرنے کے لیے ضروری اصلاحات جاری کیں اور اس کے ایک وارث نے جو Magnificent کی حیثیت سے مشہور ہوا، اپنے خاندان کی حکمرانی کا دائرہ ترکستان کی چند ریاستوں تک وسیع کیا، لیکن بحیثیت مجموعی، چاؤ خاندان کے حکمران مخصوص امتیاز سے عاری تھے، ان میں ایک بادشاہ آٹھویں صدی ق م کے درمیان اتنا کمزور نکلا کہ اس نے اپنی مملکت کا ایک

---

[1] My country and my People by Linyulong

ٹکڑا اسیانگوانگ کے طاقتور حکمران کے حوالہ کر دیا، تاکہ وہ تاتاریوں کے خلاف سرحد کی حفاظت کر سکے"۔ (ص ۳)

اگر ملوک حمیر نے چین پر حملہ کیا ہوتا تو جس طرح تاتار کی یلغار کو چینی تاریخ نے اپنے صفحات میں جگہ دی اسی طرح وہ ملوک حمیر کی اس عظیم الشان فتح کو بھی فراموش نہ کرتی، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی شمر یرعش ایسا نہیں گذرا جس کے قدموں نے سرزمین چین کو پامال کیا ہو اس لیے یہ روایت سرے سے محض تخیل کا اختراعی کرشمہ ہے، جسے الفاظ کا جامہ پہنا دیا گیا ہے۔

اس افسانہ کی آخری کڑی یہ روایت ہے کہ "تبت کے باشندوں کی زبان حمیری تھی، وہاں کے بادشاہ کا لقب تبع ہوا کرتا تھا"، مگر مذکورہ بالا بحث سے جب اصل روایت کی پوری عمارت پاش پاش ہوگئی تو یہ حصہ خود بخود خلاف واقعہ ہو جاتا ہے، جب تبع نے تبت فتح ہی نہیں کیا تو پھر ان کی زبان کا وہاں وجود ہی کیا معنی رکھتا ہے، تبتیوں کی زبان حمیری اسی وقت ہو سکتی تھی جب ان کی آبادی کا معتد بہ حصہ یمنی قبائل پر مشتمل ہوتا، لیکن ایسا نہیں ہے تبت کے باشندے خالص منگولین نسل سے تعلق رکھتے ہیں، وہ یہاں نامعلوم زمانے سے آباد ہوئے (ملاحظہ ہو چیمبر انسائیکلوپیڈیا، جلد ۱۳ ص ۶۲۲) "تبتی تاتاری نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو نامعلوم زمانے سے ایشیائے وسطی کے پلیٹوں میں آباد ہوئے، یہ چین والوں کی بہ نسبت برما، نیپال اور ہندوستان کے سرحدی علاقوں کے باشندوں سے زیادہ ملتے ہیں"، منگولین نسل کی خصوصیات تبتیوں میں بھی پائی جاتی ہیں، ان کے جسم کی ساخت، ان کے اعضاء کی ہیئت اور رنگ سامی نسل کے لوگوں سے مختلف ہے، قوموں کی جسمانی ہیئت میں تبدیلی بہت عرصہ میں ہوتی ہے، مذہب و طرز معاشرت میں تبدیلی تو مختصر عرصہ میں ممکن ہے، لیکن جسمانی بناوٹ میں تبدیلی انفرادی خاندانوں میں مخصوص عمل کے بعد کچھ صدیوں میں تو ہو سکتی ہے، لیکن پوری

قوم ایک مختصر زمانے میں نہیں بدل سکتی، اس کے بہت سے ثبوت ہیں کہ تبتی کم از کم ایک ہزار قبل مسیح کسی دوسرے نسلی گروہ سے مخلوط نہیں ہوئے، اس لیے تبت کی زبان حمیری ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں

آخری بات یہ رہ جاتی ہے کہ مسعودی نے اپنے دور میں "تبت میں عربی وضع و لباس کے اشخاص پائے ہیں،" تو بقول سید صاحبؒ یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں، کیونکہ مسلمان تاجر دنیا کے بیشتر علاقوں میں پھیل گئے تھے، انھوں نے کوہ و بیابان اور سمندر کو اپنی جولانگاہ بنا رکھا تھا، اسی لیے عرب اگر وہاں پائے گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، صاحب مضمون نے ابن حوقل بغدادی ۳۶۷ھ کی روایت جو سید صاحبؒ نے ارض القرآن میں لکھی ہے اس کو اپنے موقف کی حمایت میں نقل کیا ہے کہ

"لیکن زمانۂ اسلام کے بعض عرب سیاحوں کے عینی مشاہدات کا کیا جواب ہے" ابن حوقل بغدادی کا بیان ہے کہ اس کے زمانہ ورود سمرقند تک شہر کے دروازے پر شمر یرعش کا حمیری کتبہ ایک لوہے کی تختی پر کندہ موجود تھا۔" حالانکہ سید صاحبؒ نے اس کی جو طرفانہ تاویل کی ہے، وہ غور و فکر کی محتاج ہے، وہ لکھتے ہیں :- "اصل میں یہ قدیم ترکی خط الیغوری ہوگا جو حمیری اور منجی وغیرہ خطوط کے مشابہ ہے، شہرت عام کی بنا پر اس کو ہمارے سیاح نے حمیری سمجھ لیا۔" (ارض القرآن جلد اول ص ۲۹۳)

ان مباحث سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ چین و تبت کی فتح اور ایک خاص عہد میں تبت کی زبان حمیری ہونے کا دعویٰ کس قدر کمزور بنیادوں پر ہے، جس کو بقول سید صاحبؒ افسانہائے حمیر کے تحت جگہ ملنی چاہیے، لیکن مقالہ نگار نے اس کا تجزیہ دنیا کی تاریخ سے علیحدہ کرکے منفرد طور پر کیا ہے، اسی لیے اس کو بعینہ تسلیم کر لیا۔

ابو عثمان جاحظ

از جناب مولوی ضیاء الدین صاحب اصلاحی رفیق دار المصنفین

۳

تصنیفات جاحظ جس درجہ کا صاحب قلم تھا، اسی درجہ کا مصنف بھی تھا، کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے اس کی تصانیف امتیازی حیثیت رکھتی ہیں، مبصرین اور ناقدین نے اس کے بارہ میں بہت عمدہ رائیں ظاہر کی ہیں، ان میں سے کچھ رائیں نقل کیجاتی ہیں،

مشہور مورخ مسعودی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

ولا یعلم احد من الرواۃ	کوئی مصنف اور صاحب علم جاحظ سے زیادہ
واھل العلم اکثر کتبا منه ...	کثیر التصانیف نہیں ،.... ابوالحسن مدائنی
وقد کان ابو الحسن المدائنی	بھی کثیر التصانیف ہیں، لیکن وہ جو کچھ
کثیر الکتب الا ان ابا الحسن	سنتے ہیں صرف اسی کو نقل کرنے پر
المدائنی کان یودی ما سمع	اکتفا کرتے ہیں، جاحظ گو معتزلی ہے
وکتب الجاحظ مع انحرافه	لیکن اس کی کتابیں ذہنوں کا زنگ
المشھور تجلو صدأ الاذھان	صاف کرتی ہیں، اس کے دلائل نہایت
وتکشف واضح البرھان	واضح ہوتے ہیں، اس نے انھیں بہتر
نظمھا احسن نظم ووصفھا	طور پر مرتب اور عمدہ لفظوں میں اپنا

احسن وصف وکساھا من کلامہ	مفہوم ادا کیا ہے، اسے جب پڑھنے اور
اجزل لفظ وکان اذا تخوف	سننے والے کی تھکاوٹ اور بے لطفی کا
ملل القاری وسآمۃ السامع	اندیشہ ہوتا ہے، تو سنجیدگی سے مزاح
خرج من جد الی ھزل ومن	اور بلیغ حکمت سے ظرافت کی جانب متوجہ
حکمۃ بلیغۃ الی نادرۃ ظریفۃ	ہو جاتا ہے، اسکی کتابیں نہایت عمدہ
ولہ کتب حسان[1]	ہیں،

ابو محمد عبد اللہ بن حمود زبیدی اندلسی جاحظ کے کلام و ادب کے ایسے عاشق تھے کہا کرتے:

رضیت فی الجنۃ بکتب الجاحظ	جنت میں اس کی نعمتوں کے بجائے جاحظ
عوضا عن نعیمھا[2]	کی کتابیں مرے لیے زیادہ پسندیدہ ہیں،

علامہ خطیب بغدادی جاحظ کی کتابوں کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

المصنف الحسن الکلام البدیع	جاحظ پسندیدہ اسلوب نگارش کا
التصانیف[3]	مالک ہے اسکی تصانیف میں جدت وندرت

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔

وصنف کتبا جمۃ تدل علی قوۃ ذھنہ	اس نے ایسی کتابیں لکھیں جن سے اسکی قوت ذہنی
وجودۃ تصرفہ[4]	اور جودت طبع کا اندازہ ہوتا ہے،

مرزبانی ابوبکر احمد بن علی کی زبانی بیان کرتا ہے

ولہ کتب کثیرۃ مشھورۃ	جاحظ کی بکثرت مشہور اور اہم کتابیں ہیں
جلیلۃ فی نصرۃ الدین وفی	جو دین کی تائید وحمایت اور مخالفین کے

[1] تاریخ مسعودی برحاشیہ کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۲۹۹ [2] طبقات النحاۃ ص ۲۸۲ [3] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۲۱۲ [4] البدایہ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۱۱۹

حکایۃ مذاھب المخالفین	اقوال کی نقل، آداب و اخلاق اور ہر قسم
والآداب والاخلاق وفی	کے سنجیدہ اور تفریحی موضوع پر مضمون ہیں،
ضروب من الجد والھزل	جو لوگوں میں متداول ومعروف ہیں،
وقد تداولھا الناس وقرؤھا	اور وہ ان کی فضیلت کے معترف ہیں،
وعرفوا فضلھا واذا تدبر العاقل	اور جب کوئی عقلمند اور صاحب شعور اسکی
الممیز امر کتبہ علم انہ لیس	کتابوں پر غور کرتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا
فی تلقیح العقول وشحذ الاذھان	ہے کہ عقلوں کو بار آور اور تازہ کرنے، ذہنوں
ومعرفۃ اصول الکلام وجواھرہ	کو تیز کرنے، اصول کلام کی معرفت اور اسلام
وایصال خلاف الاسلام	کے خلاف اور مذہب اعتزال کو پہچاننے
ومذاھب الاعتزال الی	میں اسکے جیسی دوسری کتابیں نہیں ہیں،
القلوب کتب تشبھھا[1]	

اس کی بعض مشہور تصانیف کا تعارف | کتاب البیان والتبیین: یہ جاحظ کی سب سے اہم اور مشہور کتاب ہے،

اس کی اہمیت کا اندازہ علامہ ابن خلدون کے اس قول سے ہوتا ہے:۔

وسمعنا من شیوخنا فی مجالس	ہم نے اپنی تعلیمگاہوں کے اساتذہ کی زبان
التعلیم ان اصول ھذا الفن	سے سنا ہے کہ علم ادب کے اصول وقواعد کے
وارکانہ اربعۃ دواوین وھی	چار دفتر ہیں، ابن قتیبہ کی ادب الکاتب
ادب الکاتب لابن قتیبۃ وکتاب	مبرد کی کامل، جاحظ کی کتاب البیان والتبیین
الکامل للمبرد وکتاب البیان	اور ابو علی قالی کی کتاب النوادر، ان کے

[1] معجم الادباء ج ۶ ص ۵۷

والتبیین للجاحظ وکتاب النوادر لابی علی القالی البغدادی؟ وما سوی هذه الاربعة فتبع لها وفروع عنها[1]

علاوہ اور جو کتابیں ہیں وہ سب انہی کی نقل و تقلید میں لکھی گئی ہیں، اور ان کی شاخیں ہیں،

ابو علی حسن بن داؤد کا بیان ہے:-

نفخر اهل البصرة باربعة کتب کتاب البیان والتبیین للجاحظ وکتاب الحیوان له وکتاب سیبویه وکتاب العین للخلیل[2]

اہل بصرہ کا سرمایۂ ناز اور طغرائے امتیاز چار کتابیں ہیں، جاحظ کی کتاب البیان والتبیین، کتاب الحیوان، سیبویہ کی الکتاب اور خلیل کی کتاب العین

مورخ مسعودی لکھتا ہے:-

وله کتب حسان منها کتاب البیان والتبیین وهو اشرفها لانه جمع فیه بین المنثور والمنظوم وغرر الاشعار ومستحسن الاخبار وبلیغ الخطب لو اقتصر علیه مقتصر لاکتفی به[3]

جاحظ کی بہت سی عمدہ تصانیف ہیں ان میں کتاب البیان والتبیین سب سے اعلیٰ و اشرف ہے، کیونکہ وہ نظم و نثر، عمدہ اشعار، پسندیدہ واقعات، بلیغ خطبوں اور تقریروں پر مشتمل ہے، اگر کوئی شخص صرف اسی کتاب پر اکتفا کرے تو یہ اس کے لیے کافی ہے،

دوسرے مورخین و مصنفین کے نزدیک بھی جاحظ کی سب سے اہم اور بلند پایہ تصنیف، انشاء و ادب کا شاہکار کتاب البیان والتبیین ہے جو اپنی نوعیت کی عربی ادب میں پہلی کتاب ہے،

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۳۳ [2] بحوالہ ذیل طبقات الحنفیہ لابن قطلوبغا ص ۱۲۶
[3] تاریخ مسعودی برحاشیہ کامل ابن اثیر ج ۹ ص ۲۲۹

اس میں اس نے بیان کی اہمیت کا ذکر کیا ہے اور اپنے مطالب و مقصد کو واضح اور ثابت کرنے کے لیے آیات، احادیث، اشعار، امثال، خطبات اور حکم و بصائر پر مشتمل اقوال نقل کیے ہیں، جاحظ کا بیان ہے کہ اس نے ابن ابی داؤد کو یہ کتاب ہدیہ کی تو اس نے ۵ ہزار دینار اسے انعام میں دیئے[1]۔ (البیان والتبیین دو جلدوں میں مصر کے مطبعہ علمیہ سے ۱۳۱۱ھ میں شائع ہوئی ہے، اور اس کے ساتھ مشکل و غریب الفاظ کی شرح حسن آفندی ندکھالی کے قلم سے بھی اس میں شامل ہے۔)

کتاب الحیوان: یہ جاحظ کی دوسری اہم مشہور اور ضخیم کتاب ہے، اس میں اس نے صرف حیوانوں کے ذکر پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ گوناگوں مسائل و مباحث اور مختلف النوع علمی، ادبی، تاریخی اور اجتماعی امور و نکات اور ان کے متعلق مفید معلومات نقل کیے ہیں، حیوانات کے حال میں انکے مزاج و طبائع سے بحث کی ہے اور ان سے انسانوں کا تعلق دکھایا ہے، اس کتاب میں بھی آیات واحادیث، توراۃ، انجیل، کلام و امثال عرب، مختلف کتابوں کے معلومات اور انسانوں کے تجربات کو بطور ثبوت پیش کیا ہے، اس موضوع کے انتخاب کا سبب تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”حیوانات میں خدا کی قدرت و حکمت اور ربوبیت کے عجیب و غریب آثار و مظاہر پائے جاتے ہیں، اسکے ثبوت میں قرآن مجید کی متعدد آیتیں موجود ہیں، مثلاً واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون (نحل) نیز والانعام خلقها لکم فیها دفء ومنافع ومنها تاکلون (نحل) سورۂ حج میں فرمایا: ان الذین تدعون من دون الله لن یخلقوا ذبابا ولو اجتمعوا له وان یسلبهم الذباب شیئا لا یستنقذوه منه ضعف الطالب والمطلوب ما قدروا الله حق قدره ان الله لقوی عزیز (حج) ایک اور جگہ ہے: افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت

[1] معجم الادباء ج ۶ ص ۷۶،

اس کے علاوہ قرآن میں بعض سورتوں (بقرہ، انعام، نحل، نمل اور فیل وغیرہ) کے نام ہی حیوانوں کے نام پر رکھے ہیں، حضرت علیؓ نے طاؤس اور بعض اور جانوروں کی حسین وجمیل خلقت کو خدا کی قدرت کا واضح مظہر بتایا ہے"

جاحظ نے اس کتاب میں عجیب الخلقت حیوانات کا بھی ذکر کیا ہے، لیکن معتزلی ہونے کی بنا پر وہ عقلیت پسند تھا، اس لیے نہ تو خرافات اور بعید از قیاس باتیں نقل کی ہیں اور نہ زیب داستاں کے لیے محض دلچسپ اور محیر العقول واقعات تحریر کئے ہیں، بلکہ ہر چیز کو عقل و تجربہ کی کسوٹی پر رکھا ہے اور خلاف قیاس اور مستبعد امور کو یا تو رد کر دیا ہے یا مشکوک انداز میں بیان کیا ہے،

عربی زبان میں جاحظ کی کتاب الحیوان سے پہلے اس موضوع پر کوئی اور کتاب نہ تھی، البتہ ارسطو کی کتاب الحیوان جس کا وہ ماہر سمجھا جاتا ہے، سریانی زبان میں تھی، اور جاحظ نے اس سے بڑا استفادہ کیا ہے، اور کئی جگہ اپنی کتاب میں صاحب المنطق یا ارسطو کے نام کی تصریح کے ساتھ اس کی کتاب کے حوالے دیے ہیں، ابن ندیم نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔[1]

یہ کتاب اس حیثیت سے بھی بڑی دلچسپ اور جامع ہے کہ اس میں عرب و ہندستان، ایران اور ہندوستان وغیرہ ہر ملک کے جانوروں کے ذکر کے ساتھ انکی تہذیب و ثقافت کا بھی تذکرہ ہے، اور اس ضمن میں آیات، احادیث، اشعار، ارسطو اور دوسرے عقلاء و اکابر کے آراء اور قصے بھی نقل کیے ہیں، چنانچہ پہلی اور دوسری جلد میں صاحب کلب و صاحب دیک کے مناظرہ کے ضمن میں ایسے مباحث و مسائل آگئے ہیں جن کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا، مثلاً امارت و امامت کی بحث، شعر و سخن کا تذکرہ اور شعبیت وغیرہ کے مسائل،

جاحظ کا بیان ہے کہ اس نے محمد بن عبد الملک کو یہ کتاب ہدیہ کی تو اس نے ۵ ہزار دینار انعام دیے،[2]

---

[1] الفہرست ص ۲۰۵ [2] معجم الادبا ج ۶ ص ۵،

محمد آفندی ساسی مغربی تونسی نے ۱۳۲۳ھ اور ۱۳۲۴ھ میں مطبع حمیدیہ مصر اور دار التقدم مصر سے اس کے اجزاء مرتب کرکے شائع کیے ہیں،[1]

۳۔ کتاب البخلاء: یہ بھی جاحظ کی مشہور اور دلچسپ تالیف اور اس کے طرز تحریر اور انشا پردازی کا عمدہ نمونہ ہے، اس میں اس نے بخیلوں کے واقعات اور بخل کی اہمیت اور ترجیح کے دلائل نقل کیے ہیں، یہ کتاب یورپ اور مصر سے کئی بار شائع ہو چکی ہے۔[2]

۴۔ کتاب التاج و اخلاق الملوک: صاحب اعلام نے ان دونوں کو ایک ہی کتاب سمجھا اور ان کا نام التاج فی اخلاق الملوک بتایا ہے،[3] مگر یہ دو کتابیں معلوم ہوتی ہیں، جرجی زیدان کا بھی یہی خیال ہے، اس کا قلمی نسخہ مکتبہ ایا صوفیہ میں موجود ہے،[4] اور یہ دار الکتب المصریہ سے شائع ہوئی ہے،[5]

۶۔ مجموعہ رسائل: اس میں ۱۱ رسالے ہیں، پہلا حاسد و محسود کے متعلق، دوسرا فتح بن خاقان کے نام اور فوجوں کی خوبیوں کے متعلق، تیسرے میں کالے لوگوں کی گوروں پر فضیلت، چوتھے میں تربیع و تدویر، پانچویں میں گویائی کی خاموشی پر ترجیح اور چھٹے میں تاجروں اور ان کے پیشہ یعنی تجارت کی خوبی دکھائی گئی ہے، ساتویں رسالہ کا موضوع عشق و محبت اور عورت ہے، آٹھویں میں وکلاء، نویں میں استنجاز وعد، دسویں میں مذاہب شیعہ اور گیارہویں میں مغنیوں کا ذکر ہے، یہ رسائل محمد ساسی تاجر کے اہتمام میں مطبع تقدم مصر سے ۱۳۲۴ھ میں[6] اور اس کے تین رسالے تربیع و تدویر، فخر السودان اور رسالہ فتح بن خاقان ۱۹۰۳ء میں لیڈن میں شائع ہوئے ہیں،[7] رسالہ فتح بن خاقان فضائل الاتراک کے نام سے ۱۸۹۸ء میں مصر سے بھی شائع ہوا ہے اور اس کا قلمی نسخہ ایا صوفیہ میں ہے۔[8]

۷۔ الحنین الی الاوطان: یہ بھی جاحظ کی عمدہ تصنیف اور عجیب عجیب باتوں پر مشتمل ہے۔

---

[1] معجم المطبوعات ج اول ص ۶۶۸ [2] ایضاً ص ۶۶۷، و تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۶۸ [3] الاعلام ج ۲ ص ۷۲۹ [4] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۶۸ [5] معجم المطبوعات ج اول ص ۶۶۸ [6][7] ایضاً [8] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۶۸،

جاحظ نے اسے محمد بن عبد الملک کو ہدیہ کیا تھا، اور یہ شیخ طاہر الجزائری کی تصحیح کے بعد مطبعۃ المنار ست سنہ ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی ہے،[1]

۸- سلوۃ الحریف بمناظرۃ الربیع والخریف = یہ دلچسپ رسالہ آستانہ سے ۱۳۰۲ھ میں مرتضیٰ ابو قاسم کی کتاب الشہاب فی الشیب والشباب اور مصر سے ابو بکر بن محمد عارف خوبیر کی کتاب مسامرۃ الضیف کے ساتھ شائع ہوا ہے،[2] اور بظاہر اس کا موضوع ربیع و خریف کا مناظرہ معلوم ہوتا ہے،

۹- المحاسن والاضداد والعجائب والغرائب = پہلے ۱۸۹۸ء میں لیڈن سے فان فلوتن کے اہتمام میں ان کے فرانسیسی زبان میں مقدمہ کے ساتھ اور ۱۳۳۲ھ میں مطبع عمومیہ مصر اور ۱۳۳۱ھ میں مطبع سعادت مصر سے شائع ہوئی ہے،[3] صاحب معجم المطبوعات کا خیال ہے کہ اس کتاب کا انتساب جاحظ کی جانب ثابت شدہ نہیں ہے،

۱۰- الفصول المختارۃ من کتب ابی عثمان = یہ مبرد کی کامل کے حاشیہ پر مطبع تقدم سے ۱۳۲۴ھ میں شائع ہوئی ہے،[4] اور غالباً یہ جاحظ کی کتابوں کے انتخاب پر مشتمل ہے،

۱۱- کتاب الاصنام = اس کا ذکر متعدد مصنفین نے کیا ہے، اور جاحظ نے کتاب الحیوان میں اس کے متعلق جو معلومات دیے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بڑی اہم اور معلومات افزا کتاب ہے، اس میں ہندوستانیوں اور اہل عرب کی بت پرستی کی توجیہ اور ان کے باہمی اختلافات بیان کیے گئے ہیں، اور یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ بت پرستوں کو دوسرے مذاہب والوں سے کیوں نفرت و عداوت ہوتی ہے، اور وہ عام اہل مذاہب کے برخلاف اپنے مذہب سے شدید وابستگی کیوں رکھتے ہیں، اور بد، وثن اور وثن و صنم اور دمیہ (ایک قسم کی مورتی اور بت) وجثہ (جسم یا اسٹیچو) وغیرہ کا فرق بتایا ہے اور بڑے بڑے مقدس لوگوں کی تصویریں بنانے، ان کو عبادتگاہوں

[1] معجم المطبوعات ج اول ص ۶۶۸ [2] ایضاً و تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۶۸ و ۱۶۹ [3] معجم المطبوعات ج اول ص ۶۶۸ و ۶۶۹ [4] ایضاً ص ۶۶۸

اور مکانوں میں آویزاں کرنے کے اسباب بیان کیے ہیں، اور بت پرستی کی ابتدا اور مختلف مذاہب کی باہمی آویزش اور تفریق وغیرہ کی تفصیل تحریر کی ہے،[1] صاحب معجم المطبوعات نے اس کو غیر مطبوعہ بتایا ہے، اور حاشیہ میں زنکر کی فہرست کی اس رائے کی تردید کی ہے کہ وہ بولاق سے ۱۲۴۵ھ میں شائع ہوئی ہے،[2]

۱۲- تنبیہ الملوک والمکائد = اس کا ذکر یاقوت حموی، صاحب اعلام اور جرجی زیدان نے کیا ہے، اور آخر الذکر نے لکھا ہے کہ اس کا قلمی نسخہ کوبرلی میں موجود ہے۔[3]

۱۳- سحر البیان = اس کا قلمی نسخہ کوبرلی میں ہے[4] اور موضوع نام سے ظاہر ہے،

۱۴- کتاب العرافۃ والزجر والفراسۃ = اس کا کئی مصنفین نے ذکر کیا ہے، لیکن صرف جرجی زیدان نے اس کے متعلق اس قدر لکھا ہے کہ وہ مکتبہ لیڈن میں موجود ہے، اور اس میں اہل عرب کے مذاہب کا ذکر ہے۔[5]

۱۵- رسالۃ فی بنی امیہ = اس کا قلمی نسخہ مکتبہ خدیویہ مصر میں ہے،[6] اس کا ایک حصہ عصر المامون کے مصنف احمد فرید رفاعی نے نقل کیا ہے۔

۱۶- کتاب النبی والمتنبی = یاقوت اور صاحب اعلام نے اس کا یہی نام تحریر کیا ہے، مگر جاحظ نے کتاب الحیوان میں اس کا نام کتاب فرق ما بین النبی والمتنبی لکھا ہے، اس کے متعلق مولانا شبلی لکھتے ہیں: "نبوت کی حقیقت، شرائط، متنبی و غیر متنبی میں حد فاصل کی بحث عہد نبوی و صحابہ میں نہیں پیدا ہوئی، لیکن دولت عباسیہ کی ابتدا میں جب فلسفہ نے مذہب کے احاطہ میں قدم رکھا تو یہ بحث زور شور کے ساتھ پیدا ہوئی، جہاں تک ہم کو معلوم ہے سب سے پہلے اس مسئلہ پر جاحظ نے قلم اٹھایا اور ایک مستقل کتاب لکھی، علوم عقلیہ و نقلیہ میں جاحظ کا جو پایہ ہے اس کے لحاظ سے کیا جاتا ہے کہ

[1] کتاب الحیوان ج اول ص ۳ [2] معجم المطبوعات ج اول ص ۶۶۷ [3] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ج ۲ ص ۱۶۸ [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً

اس نے کیا کچھ لکھا ہوگا، لیکن قدماء کی تمام تصنیفات اس طرح برباد ہو چکی ہیں کہ آج اس خرمن کا ایک دانہ بھی موجود نہیں، ایثار الحق میں جو نویں صدی کے ایک مجتہد عیلی کی تصنیف ہے، اور آجکل مصر میں چھاپی گئی ہے، ایک جگہ صرف اس کتاب کا تذکرہ ہے اور شرح مواقف میں نبوت کے اثبات کے جو چار طریقے لکھے ہیں ان میں سے دوسرے طریقے کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ جاحظ کا مذہب ہے اور امام غزالی نے بھی اس کی تحسین کی ہے"[۱]

۱۷۔ کتاب الفرق فی اللغۃ = مولانا عبد العزیز صاحب میمن کا بیان ہے اور اسکی تائید تذکرۃ النوادر دائرۂ معارف حیدرآباد سے بھی ہوتی ہے کہ اس کا قلمی نسخہ کتبخانہ جامع القروین (فارس) میں ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، یہ لغت کی کتاب ہے[۲]،

۱۸۔ کتاب نظم القرآن = اس کے نام سے اسکی اہمیت اور موضوع ظاہر ہے، جاحظ نے کتاب الحیوان میں لکھا ہے کہ اس میں نظم قرآن کے دلائل اور قرآن کی تالیف و ترتیب میں جو عجیب اور دلچسپ طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اس کی وضاحت کی گئی ہے[۳]۔

۱۹۔ کتاب مسائل القرآن = ابن ندیم نے اس کا نام کتاب المسائل فی القرآن بتایا ہے، اور جاحظ نے کتاب الحیوان میں کتاب المسائل سے غالباً اسی کتاب کو مراد لیا ہے[۴]،

۲۰۔ کتاب الزرع والنخل = جاحظ نے اس کا پورا نام کتاب الزرع والنخل والزیتون والاعناب واقسام فصول الصناعات ومراتب التجارات لکھا ہے[۵]، یاقوت حموی کا بیان ہے کہ جاحظ نے ابراہیم بن عباس صولی کو یہ کتاب ہدیہ کی تو اس نے ۵ ہزار دینار انعام دیے[۶]،

۲۱۔ کتاب فضیلۃ المعتزلہ = یاقوت نے جاحظ کی ایک اور کتاب کا نام کتاب الاعتزال وفضلہ عن الفضیلۃ بتایا ہے، مگر گمان غالب ہے کہ یہ دونوں ایک ہی کتاب کے نام ہیں، اور

---

[۱] الکلام حصہ اول ص ۷۳ [۲] معارف جلد ۱۴ نمبر ۱ ص ۵۲ و تذکرۃ النوادر ص ۱۰۸، [۳] کتاب الحیوان ج ۱ ص ۵ [۴] ایضاً [۵] ایضاً ص ۲ [۶] معجم الادباء ج ۶ ص ۷۶

نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اس نے اپنے مذہب یعنی اعتزال کی اہمیت اور ترجیح بیان کی ہوگی،

۲۲۔ کتاب الرد علی المشبہ = اسکے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں فرقہ مشبہ کا رد و ابطال کیا گیا ہے،

۲۳۔ کتاب الرد علی اصحاب الالہام = اس کا نام خود جاحظ نے کتاب اصحاب الالہام لکھا ہے، ممکن ہے کہ یہ کوئی اور مستقل کتاب ہو،

۲۴۔ کتاب فخر القحطانیہ والعدنانیہ = جاحظ نے اس کا پورا نام کتاب القحطانیہ والعدنانیہ فی الرد علی القحطانیہ بتایا ہے[۱]، اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔

۲۵۔ کتاب الاخبار = جاحظ اور یاقوت نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے، لیکن یاقوت نے ایک اور مستقل کتاب کا نام کتاب الاخبار و کیف تصح بتایا ہے، لیکن غالباً یہ ایک ہی کتاب ہوگی،

۲۶۔ کتاب الوعید۔ جاحظ نے اسکا یہی نام تحریر کیا ہے، مگر یاقوت نے کتاب الوعد والوعید لکھا ہے،

۲۷۔ کتاب الفرحاء والمجناء = اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں صحیح النسب و غیر صحیح النسب لوگوں کے متعلق معلومات ہوں گی،

۲۸۔ کتاب العرجان والبرصان = علامہ سیوطی نے اس کا نام کتاب العرجان والبرصان والقرعان لکھا ہے[۲]، اور نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں لنگڑوں، کوڑھیوں اور گنج سر والوں کا ذکر ہوگا،

۲۹۔ کتاب النساء = یہ یا تو کوئی مستقل تصنیف ہے یا مجموعۂ رسائل کا ساتواں رسالہ "رسالۃ فی العشق والنساء" ہے۔

۳۰۔ کتاب المغنیین = غالباً مجموعہ رسائل کا گیارہواں رسالہ طبقات المغنیین یہی کتاب ہے، یاقوت نے کتاب المغنیین والغناء والصنعۃ کے نام سے جاحظ کی جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ اس کے علاوہ کوئی مستقل کتاب ہوگی۔

---

[۱] کتاب الحیوان ج اول ص ۳ [۲] طبقات النحاۃ ص ۳۶۵

۳۱۔ کتاب حکایۃ قول اصناف الزیدیہ = جاحظ نے اپنی ایک تصنیف کا نام معارضۃ الزیدیہ وتفضیل الاعتزال علی کل نحلۃ بتایا ہے جو غالبا یہی کتاب ہوگی، موضوع نام سے ظاہر ہے،

۳۲۔ جوابات کتاب المعرفۃ = جاحظ نے اپنی ایک کتاب کا نام کتاب الجوابات لکھا ہے اور نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دونوں ایک ہی کتاب ہیں یا دو،

۳۳۔ کتاب الرد علی النصاریٰ } یاقوت کے بیان کے بموجب یہ دو کتابیں ہیں لیکن جاحظ نے
کتاب الرد علی الیہود } اپنی ایک کتاب کا نام کتاب علی النصاریٰ والیہود بتایا ہے

۳۴۔ کتاب الفتیا = یہ نام یاقوت نے لکھا ہے، اور جاحظ نے القول فی اصول الفتیا والاحکام لکھا، غالباً اسی کو مراد لیا ہوگا،

۳۵۔ کتاب عصام المرید۔ غالباً یاقوت کو اس سلسلہ میں وہم ہوا ہے، کیونکہ جاحظ نے شاید اسی کتاب کا نام بصیرۃ غنام المرتد وبصیرۃ کل جاحد وملحد لکھا ہے،

۳۶۔ کتاب الاستبداد، ۳۷۔ کتاب جمہرۃ الملوک } ان کتابوں کا یاقوت اور صاحب اعلام
۳۸۔ کتاب البلدان، ۳۹۔ کتاب المعلمین، ۴۰۔ کتاب النجوی } نے تذکرہ کیا ہے، لیکن کوئی معلومات
۴۱۔ کتاب صیاغۃ الکلام } نہیں دیے ہیں،

۴۲۔ کتاب العثمانیہ۔ اس کا یاقوت اور جاحظ نے ذکر کیا ہے،

اب ان کتابوں کا ذکر کیا جارہا ہے جن کا صرف جاحظ نے تذکرہ کیا ہے۔

۴۳۔ موازنۃ ما بین حق الخؤولۃ والعمومۃ = اس کے متعلق کوئی معلومات نہیں دیے ہیں، لیکن نام سے اس کے مطالب کا اندازہ ہوتا ہے۔

۴۴۔ کتاب فضل ما بین الرجال والنساء = اس میں عورتوں اور مردوں کے درمیان فرق و مراتب فضیلت کا ذکر ہے، اور یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ کن مواقع پر عورتوں کا درجہ مردوں سے زیادہ اور کن مواقع پر کم ہوتا ہے، اور مرد وعورت دونوں میں کس کا حصہ لڑکوں کی تولید میں زیادہ ہوتا ہے، اور ان کے حال کے مناسب کاموں اور طریقوں کو بتایا ہے اور ان کے حقوق بیان کیے ہیں،[1]

۴۵۔ کتاب العرب والموالی = اس میں اہل عرب کی فضیلت و برتری اور مملوک و موالی کے مقابلہ میں ان کی عظمت واہمیت کو دکھایا گیا ہے،[2]

۴۶۔ کتاب العرب والعجم۔ اس میں اہل عرب کی اہل عجم پر فضیلت بیان کی ہے،[3]

۴۷۔ کتاب المعادن والقول فی جواہر الارض = اس میں مختلف قسم کی دھاتوں اور معدنیات اور ان کی منجمد اور قدرتی ومصنوعی قسموں کا ذکر ہے، اور یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ کس طرح بعض معدنیات بہت جلد تبدیل ہوجاتی ہیں اور بعض دیر میں اور بعض کے رنگوں میں فرق ہوجاتا ہے بعض میں نہیں ہوتا، نیز کیمیاء وغیرہ کے متعلق مفید معلومات دیے ہیں،[4]

۴۸۔ کتاب فرق ما بین ہاشم وعبد شمس = اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔

۴۹۔ کتاب فرق ما بین الجن والانس } اسکا موضوع بھی نام سے ظاہر ہے، جاحظ کے بیان کے
فرق ما بین الملائکۃ والجن } مطابق اس میں حضرت سلیمانؑ کے دربار کے عفریت ہدہد اور الذی کان عندہ علم من الکتاب کا ذکر اور علم کا مطلب وتاویل بھی بتائی گئی ہے،[5]

۵۰۔ کتاب الافاق والریاضات = جاحظ کا بیان ہے کہ اس میں رزق ونفقہ اور تاجروں اور دوسرے اہل حرفہ کی حصول معاش کے لیے سعی وتدبیر کا ذکر ہے،[6]

۵۱۔ رسائل الہاشمیات = نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان رسالوں میں بنو ہاشم کے متعلق معلومات لکھے گئے ہوں گے، اور جاحظ نے بھی لکھا ہے کہ میں نے اس میں انکی صحیح اور دلکش تصویر کھینچی ہے اور انکی اہمیت وفضیلت کے دلائل بھی بیان کیے ہیں،[7]

---

[1] کتاب الحیوان ج اول ص ۲ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۳ [5] ایضاً [6] ایضاً [7] ایضاً

۵۲۔ کتاب خلق القرآن = اس کے متعلق یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا مگر نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں معتزلہ کے عقیدہ خلق قرآن کا ذکر ہوگا۔

۵۳۔ کتاب الحجہ فی تثبیت النبوۃ = نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اثبات رسالت و نبوت کے دلائل بیان کیے گئے ہوں گے، اس سلسلہ کی ایک اور کتاب النبی والمتنبی کا پہلے ذکر ہو چکا ہے،

۵۴۔ کتاب العباسیہ = یہ جاحظ کی نہایت اہم تصنیف ہے، اور موضوع نام سے ظاہر ہے۔

۵۵۔ الفرق ابین الحیل المخارق وبین الحقائق الظاہرۃ والاعلام الباھرۃ = اسکے متعلق کوئی معلومات نہیں لکھے ہیں۔

یاقوت نے حسب ذیل کتابوں کے صرف نام لکھے ہیں اور انکے متعلق کوئی معلومات نہیں دیے ہیں، ان میں سے بعض کا موضوع نام سے ظاہر ہے = کتاب[56] المعرفۃ۔ کتاب[57] مسائل کتاب المعرفۃ۔ کتاب[58] الامامۃ علی مذہب الشیعۃ، کتاب[59] الرد علی العثمانیہ، کتاب[60] امامۃ معاویۃ، کتاب[61] امامۃ بنی العباس، کتاب[62] الفتیان، کتاب[63] القواد، کتاب[64] اللصوص، کتاب[65] ذکر ما بین الزیدیۃ والرافضۃ، کتاب[66] المخاطبات فی التوحید، کتاب[67] تصویب علی فی تحکیم الحکمین، کتاب[68] وجوب الامامۃ، کتاب[69] الشارب والمشروب، کتاب[70] افتخار الشتاء والصیف، کتاب[71] نوادر الحسن، کتاب[72] الفخر ما بین عبد شمس و مخزوم، کتاب[73] الطفیلیین، کتاب[74] المعاد والمعاش، کتاب[75] التسویۃ بین العرب والعجم، کتاب[76] السلطان واخلاق اہلہ، کتاب[77] الدلالۃ علی ان الامامۃ فرض، کتاب[78] الاستطاعۃ وخلق الافعال، کتاب[79] الہدایا منحول، کتاب[80] الاخوان، کتاب[81] الرد علی من الحد فی کتاب اللہ عز وجل، کتاب[82] آی القرآن، کتاب[83] الناشی والمتلاشی، کتاب[84] حانوت عطار، کتاب[85] التمثیل، کتاب[86] فضل العلم، کتاب[87] المزاح والجد، کتاب[88] الصوالجۃ، کتاب[89] ذم الزناء، کتاب[90] التفکر والاعتبار، کتاب[91] الحجر والنبوۃ، کتاب[92] آل ابراہیم بن المدبر فی المکاتبۃ، کتاب[93] حالۃ القدرۃ علی الظلم، کتاب[94] امہات الاولاد، کتاب[95] الاخطار والمراتب والصناعات، کتاب[96] دروثۃ العالم، کتاب[97] الرد علی من زعم ان الانسان جزء لا یتجزاء، کتاب[98] ابی النجم وجوابہ، کتاب[99] التفاخر، کتاب[100] الانس والسلوۃ، کتاب[101] الکبر المستحسن والمستقبح،

کتاب[102] نقض الطب، کتاب[103] الحزم والعزم، کتاب[104] عناصر الآداب، کتاب[105] تحصین الاموال، کتاب[106] الامثال، کتاب[107] فضل الفرس، کتاب[108] علی الہلاج، کتاب[109] الرسالۃ الی ابی الفرج بن نجاح فی امتحان عقول الاولیاء، کتاب[110] رسالۃ ابی النجم فی الخراج، کتاب[111] رسالۃ فی القلم، کتاب[112] رسالۃ فی فضل اتخاذ الکتب، کتاب[113] رسالۃ فی العفو والصفح، کتاب[114] رسالۃ فی اثم السکر، کتاب رسالۃ فی الامل والمأمول، کتاب[115] رسالۃ فی الحلیۃ، کتاب[116] رسالۃ فی ذم الکتاب، کتاب[117] رسالۃ فی مدح الکتاب، کتاب[118] رسالۃ فی مدح الوراق، کتاب[119] رسالۃ فی ذم الوراق، کتاب[120] رسالۃ فیمن یسمی من الشعراء عمراً، کتاب[121] رسالۃ الیتیمۃ، کتاب[122] رسالۃ فی فرط جہل یعقوب بن اسحاق الکندی، کتاب[123] رسالۃ فی الکرم الی ابی الفرج بن نجاح، کتاب[124] رسالۃ فی موت ابی حرب الصفار البصری، کتاب[125] رسالۃ فی المیراث، کتاب[126] فی الاسد والذئب، کتاب[127] رسالۃ فی کتاب الکیمیاء، کتاب[128] رسالۃ فی القضاۃ والولاۃ، کتاب[129] الملوک والامم السالفۃ والباقیۃ، کتاب[130] رسالۃ فی الرد علی القولیہ، کتاب[131] العالم والجاہل، کتاب[132] النرد والشطرنج، کتاب[133] غش الصناعات، کتاب[134] خصومۃ الحول والعور، کتاب[135] ذوی العاہات، کتاب[136] اخلاق الشطار، کتاب[137] الملح والطرف وما حرمن النوادر، کتاب[138] رسالۃ فی کتمان السر، کتاب[139] رسالۃ فی مدح النبیذ، کتاب[140] رسالۃ فی ذم النبیذ،

اس فہرست میں جاحظ کے بعض رسائل کا نام بھی آیا ہے، اس کے بعض رسائل کے نمونے احمد فرید رفاعی نے عصر المامون جلد سوم میں دیے ہیں، جاحظ کے رسالے بھی اس کی اعلیٰ انشا پردازی اور ادب و بلاغت کا مظہر ہیں، چنانچہ احمد فرید لکھتے ہیں:۔

وللجاحظ رسائل فی الاستعطاف وشکوی الزمان آیۃ فی البلاغۃ[1]

---

[1] عصر المامون ج ۱ ص ۴۲۶

حیدر آباد میں قدیم سکوں کا ایک نادر خزانہ

از جناب سید امین الدین حسینی بی اے، حیدر آباد

گو یہ مضمون بہت سرسری اور تشنہ ہے، اس میں یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ سکوں کے اس نادر ذخیرے کا انجام کیا ہوا، وہ کہاں گیا اور بحر فنا میں غرق ہونے کا کیا مطلب ہے، اب اس سے فائدہ اٹھانے کی کوئی شکل باقی ہے یا نہیں، لیکن اس کو محض اس لیے شائع کیا جاتا ہے کہ شاید سکوں کے شائقین اس کا سراغ لگانے کی کوشش کریں۔ "م"

حیدر آباد "آندھرا پردیش" میں چادر گھاٹ کے پل کے قریب ایک مکان تھا جس کا نام تھا سویٹ آبرن (sweet auburn)، یہ مکان اگرچہ باہر سے ویران نظر آتا تھا لیکن اندر سجا سجایا ایوان اور اس کے مالک تھے ڈاکٹر ہاپلس شاہ کشتا ارپور والا، یہ سابق میں سرکار آصفی کی فوج کے لاشعاعی شعبہ کے صدر تھے، افسوس کہ چند ہی سال قبل وہ اس جہان سے رخصت ہوگئے، ڈاکٹر صاحب اگرچہ اپنے فن کے اعتبار سے تو ڈاکٹر تھے لیکن ان کی عمر کا پورا حصہ عہد قدیم کے سکوں کی تلاش و تحقیقات اور ان کے جمع ہی کرنے میں گذرا، اور ہر آن انھیں یہ لو لگی رہتی کہ قدیم سکوں کے ذخیرے کے ساتھ ساتھ ہر روز نت نئی تحقیقات میں اضافہ ہوتا رہے، چنانچہ اس شوق و شغف نے ڈاکٹر صاحب کو اچھا خاصا ماہر سکہ جات بنا دیا تھا، انھیں تاریخ سے بھی خاص دلچسپی تھی، اور عرصۂ دراز سے قدیم ترین سکوں کی تحریرات حل کرکے تحقیقی مضامین شائع کرتے رہتے تھے، ان سکوں کو وہ بڑے ذوق و شوق سے لوگوں کو دکھاتے تھے، اور گھنٹوں اس میں صرف کرتے تھے، ان سکوں کے تحفظ کا بھی خاص انتظام کیا تھا،

طلائی سکوں کے لیے اچھی قسم کی لکڑی کے چھوٹے چھوٹے خانے بنوائے گئے تھے، جن میں یہ سکے رکھے گئے تھے، ہر سکے کے متعلق مختصر طور پر اس کا عہد و سنہ و مقام ٹکسال وغیرہ ضروری معلومات تحریر تھیں، ان سکوں کی حفاظت کے لیے انھوں نے دو تنومند اور خونخوار السیشین کتے پالے تھے، جو رات کو سکوں کی حفاظت کرتے تھے۔

راقم حروف کو چند سال قبل بعض خاص سکوں کی تحقیق مطلوب تھی، اس لئے اس تجسس نے اس نادر خزانے کا پتہ لگایا اور ان قیمتی اور نادر سکوں کے دیکھنے کا موقع ملا، ان کی تعداد کوئی دس ہزار ہوگی، اس بیش بہا ذخیرے میں قدیم سے قدیم اور قریب قریب ہر بادشاہ، ہر ملک، ہر عہد اور تقریباً ہر نوعیت کے سکے موجود تھے، بعض سکے ایسے دکھائی دیے جن کے مطالعہ سے فرشتہ جیسی مستند تصنیف کی تکذیب ہوتی تھی، بعض ایسے نادر تھے کہ شاید دنیا میں اپنی آپ ہی نظیر ہوں اور بعض محض چیستان و معمہ ہی تھے،

ان سکوں کی مختصر سرگذشت اور اجمالی فہرست یہ ہے:-

قبل مسیح و بعد مسیح کے سکے، رومن، ساسانی، خراسانی، ایرانی، تورانی سکے، حبش کے شہنشاہ ہرقل (ہمعصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد کے سکے، خلفائے بنی امیہ و عباسیہ کے دور کے سکے، چین و تاتار کے سکے، ہندوستان میں قدیم راجاؤں مثلاً بالو اگپتا وغیرہ کے دور کے سکے، مسلمانوں کے عہد حکومت میں خلجی، تغلق، لودھی وغیرہ کے سکے، گجرات، مالوہ، خاندیس کے حکمرانوں کے سکے، مغل بادشاہوں میں ہمایوں سے لیکر ابو ظفر بہادر شاہ تک کے سکے، دکن میں راجگان وجیا نگر، بہمنی، بریدی، عادل شاہی، نظام شاہی، قطب شاہی سکے، آصف جاہی سلطنت میں سمتان گدوال، ونپرتی، سگور، پستن شاہی و گوبند بخشی کے علاوہ جملہ سلاطین آصفیہ کے سکے، والی میسور حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے سکے۔

ان میں سے اکثر سکوں کی تحریریں اور مقام ٹکسال صاف پڑھا جاتا ہے، یہ سکے مختلف ظرات

اور مختلف شکل و صورت و وزن و قیمت کے تھے۔ ان سکوں کے نام یہ ہیں:۔

درہا، ہون، اشرفی، فنم، بگوڈا، ٹنکہ، لاری، روپیہ، دام، پیسہ وغیرہ،

ان میں سے بعض ایسے سکہ جات بھی تھے جن کی تحقیق اس وقت تک نہیں ہوسکی، مثلاً ایک سکے پر "مدینۃ المعمورہ" اور سنہ جلوس ۵۵ھ کندہ ہے، اسی طرح ایک اور سکے پر جو آصفجاہی دور سے متعلق ہے "فرخندہ بنیاد" لکھا ہے، اور اوپر "امرادو" کندہ ہے، غالباً امراوتی ہوگا، اسی عہد کے ایک سکہ کے ایک جانب "مہاراج" لکھا ہے، یہ مہاراج اس وقت تک پردۂ راز ہی میں ہیں،

ان کے علاوہ بعض ایسے سکے بھی دکھائی دیے جو بہمنی حکمراں مثلاً محمد شاہی اور فیروز شاہی عہد سے متعلق تھے، لیکن بلحاظ سنین فرق پڑتا ہے، بعض سکہ جات تو عجیب و غریب شکل و صورت کے نظر آئے، مثلاً "خنجر نما"، "جسنا نما"، اور چینی کے سکے اور "خود" اور کشتی کی شکل کے سکے، اور بعض تو محض چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہی تھے، جن پر کوئی عبارت نہیں تھی، لیکن اب نہ وہ مکان ہی رہا اور نہ ہی وہ مکین، اسی طرح نہ وہ خزانۂ مکنون، بلکہ کل من علیہا فان کے قانون قدرت کے مطابق بحر فنا میں غرق ہوگئے،

تاریخ سندھ

اس میں سندھ کا جغرافیہ، مسلمانوں کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات، خلافت راشدہ کے زمانہ سے لیکر آٹھویں صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتوں کے ماتحت رہا ان کی پوری تاریخ اور ان تمام دوروں کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات اور رفاہ عام کے جو کام انجام پائے ان سب کی پوری تفصیل ہے۔ قیمت ۶؍

"منیجر"

آثارِ علمیہ و ادبیہ

مکاتیب مولانا مناظر احسن گیلانی

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ
جوار الجامعۃ العثمانیہ حیدر آباد دکن

سیدی و سید المسلمین متعنا اللہ بطول حیاتکم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عریضۂ نیاز بھیجنے کی حد تک تو خاکسار نے بھیجدیا تھا، لیکن پہنچ جائیگا، اس کی امید ہڑتالیوں کی وجہ سے نہیں تھی، اور جواب پاکر تو قدیم لفافوں کے الفاظ "بعونہ تعالیٰ" زبان پر جاری ہوئے، مکتوب گرامی پڑھنے کے ساتھ دل سے آواز آئی، آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "تاللہ لقد آثرک اللہ علینا" ایوبیت کے لیے جو عہد مناسب تھا اس میں ایوبیت، اور سلیمان کو بہر حال سلیمانیت کی کیفیتوں سے بھی لذت اندوز ہونا تھا، اب اس سے لطف اندوزی فرمائیے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی متناقض آرزو شہادت فی سبیل اللہ والموت فی بلد رسول اللہ باوجود متناقض ہونے کے پوری کی گئی کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی آپ کے ساتھ دیکھ رہا ہوں، جوانی سے زیادہ سہولت بڑھاپے میں عطا کی جائے، دل آدمی کا بھی چاہتا ہے لیکن بڑھاپے میں نوکری سے نکالدیا جاتا ہے، آدمی آمدنی اسکی چھین لیجاتی ہے مگر کرنے والا کرنے پر جو آتا ہے تو یہ بھی دکھاتا ہے کہ بڑھاپے میں دونی بلکہ چوگنی آمدنی کردی گئی، سچ تو یہ ہے کہ حیدر آباد میں وہ سہولتیں اس آو بھگت کی توقع نہیں ہوسکتی تھی، جنکی امید ہے کہ بھوپال میں آپ کو تجربات ہو رہے ہونگے، بھوپال آپ کو بڑا نہیں بنائیگا، بلکہ بھوپال نے آپ سے بڑائی حاصل کی ہے، نتیجہ دونوں باتوں کا ایک کیسے ہوسکتا ہے، اگر مولوی شبیر احمد صاحب نے دعوت عثمانی کو مدرسۂ نظامیہ کی نظامت کے متعلق قبول

کردیا تو آپ دیکھ لیں گے کہ مستحق محمد حمیدی دعوت تھی یا عثمانی؟ اور سچ تو یہ ہے کہ جس اقتدار کو بھوپال میں اس وقت آپ کے لیے حق تعالیٰ نے مہیا فرمایا ہے، مجھے تو امید ہے کہ اس سے کوئی بڑا انقلابی نتیجہ کم از کم مسلمانوں کی تعلیمی زندگی میں ظاہر ہوگا، انشاء اللہ کمیٹیوں کا اسیر بنا کر آپ کو وہاں نہیں رکھا جائیگا، اگر میرا حسن ظن صحیح ہے تو پھر آپ ذمہ دار ہوں گے، اگر اس ارتداد کی تحریک کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے، جسے کانگریسی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں میں تعلیم کے نام سے مسلمانوں میں جاری کرنے پر تلی ہوئی ہیں، ایک ندوہ نہیں تین تین ندوے آپکے سپرد کیے گئے ہیں، چاہیے تو ”جامعہ اسلامیہ حمیدیہ“ کے قالب میں اس کو ڈھال کر دوسرے علاقے کے مسلمانوں کے لیے اس کو نمونہ بنایئے، دینی علوم کو محفوظ رکھتے ہوئے، چھوٹے ہوئے کارتوسوں کی جگہ تازہ بھرے ہوئے کارتوس (یعنی علوم جدیدہ جن کا مذہب سے تعلق ہے، مثلاً فلسفہ، نفسیات، معاشیات، مغربی زبانیں انگلش، فرنچ اور ہندوستان کی مقامی ضرورت کے لحاظ سے بھاشا اور سنسکرت) کا جوڑ اسلامی علوم کے ساتھ قائم کیجئے، ہونا تو یہی چاہیے اور شاید کبھی یہ ہو کر رہے گا، لیکن اس خیبر کا فاتح کون ہوگا، علی کے گھرانے سے کسی کو اٹھنا چاہیے،

بہرحال آپنے دعوت دے ہی دی ہے، بھوپال کی زیارت کی سعادت بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی ہے، ایک دو سفر حیدرآباد کا ابھی باقی ہے، انشاء اللہ اسی سلسلہ میں حاضری کا موقع میسر آیا، تو شفاہاً بھی ان ہی باتوں کو عرض کروں گا، جنھیں بجز آپکے نہ کسی سے کہہ سکتا ہوں، اور نہ کوئی سن سکتا ہے، میرا خیال ہے کہ اردو غریب کو بچا لینے کی واحد شکل اب یہی ہے کہ ہر قسم کی تعلیم میں مسلمانوں کے لیے بنام دینیات اسلامی عربی کو لازم کر دیا جائے، اس کے سوا کوئی دوسری صورت اب اس غریب کے بچنے کی نظر نہیں آتی، مولوی عبدالحق ہندوؤں کو تو اردو کیا پڑھائیں گے، بنگال، سندھ، گجرات کے مسلمانوں کو بھی یہ سمجھانا آسان نہیں ہے کہ اردو پڑھنا کسی وجہ سے بھی ان کے لیے ضروری ہے، لیکن عربی کا معاملہ اور ہے، اس کے لزوم کا مطالبہ ہر مسلمان سے کیا جا سکتا ہے، خواہ کہیں کا ہو، ہندوستان بالمعنی الاعم میں عربی کی تعلیم کا آسان ذریعہ بھی ہوگا کہ اردو اور فارسی سے آشنا بنانے کے بعد عربی میں لوگوں کو لگایا جائے، حیدرآباد میں تو کچھ

ہو سکا، کمیٹیوں نے سب کام خراب کیا، خیال تو کیجئے کہ اس کمیٹی کی لعنت کا کہ مولانا عبدالحئی مرحوم کی کتاب نزہۃ الخواطر وغیرہ آج چار سال سے کمیٹی کے چکر میں ہے، بمشکل چار سال کی جد و جہد کے بعد پہلی جلد کی طباعت کی اجازت عطا ہوئی ہے، علی میاں بے چارے نے ایک مختصر لیکن جامع تعارفی مقدمہ اس کے شروع میں لکھا تھا، ارباب کمیٹی کی نگاہوں میں وہ نہ جنچا، اناللہ وانا الیہ راجعون، بیچارے بمبئی سے جاتے ہوئے آئے تھے، تشریف لے گئے،

رویت ہلال کا ثبوت بالریڈیو کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا ہے، شہادت کا لفظ اس موقع پر گو استعمال کرنے والے استعمال کرتے ہیں، لیکن یقبل قول الواحد العدل فی احد عشر موضعا فی تقویم السلف فی الجرح والتعدیل والترجمہ وفی جودۃ المسلم فیہ وردائتہ وفی الاخبار بالنفس بعد مدۃ مزیل وفی رسول القاضی الی المزکی وفی اثبات العیب وفی رؤیۃ رمضان عند الاعتدال الخ جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ عام خبروں پر جن ذرائع سے اعتماد کیا جاتا ہے وہی حال رویت ہلال رمضان کا عند الاعتدال ہے، اس وقت اسی قدر بس کرتا ہوں، باقی پھر کبھی۔

خاکسار مناظر احسن گیلانی

مولانا عنوان صاحب کو سلام فرما دیجئے جو کچھ انکے متعلق آپنے ارقام فرمایا ہے خاکسار پہلے ہی ان باتوں کو لکھ چکا تھا، فنعم الوفاق

۲۱ر دسمبر ۱۹۴۶ء
حیدرآباد دکن جوار الجامعۃ العثمانیہ
”حول المسجد الاقصیٰ“

سیدی اطال اللہ بقائکم   وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بڑے وقت میں آپکے نامہ سکینت سے دل کو سکون میسر آیا، ہر طرف سے ایسی ناگوار نامناسب خبریں مسلسل آرہی تھیں کہ قریب قریب ہار کے میں نے اپنے دل کو گویا یوں سمجھئے کہ توڑ ہی لیا تھا، ایک وجہ تو اسکی اپنی زندگی کی آخری منزل پہلے ہی سے تھی، اب کہاں بہار اور کہاں دکن، جہاں کا سفر درپیش ہے وہ سامنے جھانک رہا ہے، گویا یوں سمجھئے کہ ادھ گھسے کو ٹھیلنے کا بہانہ مل گیا، لیکن پہلی دفعہ آپکے نوازش نامے نے دل کی کچھ ڈھارس بندھائی، اسی کے دوسرے دن ایک خط بھی میاں مکارم کا استھانواں سے ملا جس میں قریب قریب اسی

خیال کا اعادہ انھوں نے بھی کیا ہے، دیکھئے حالات آیندہ کن صورتوں کو سامنے لاتے ہیں ؎

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا
ویاتی بالاخبار من لم تزود

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بسا اوقات اس جاہلی شعر کو استعمال فرماتے اور کہتے کہ بڑی سچی بات کہہ گیا ہے۔ میاں ہاشم کے معاملہ میں دوڑ دھوپ کر رہا ہوں قطعی طور پر میرے پاس آنا جانا بند کر دیا ہے لیکن بیچارا مکلف نہیں ہے، خدا کرے ان کی بیوی بچوں کے نام وظیفہ کا اجرا عمل میں آئے، ماجد میاں کے متعلق ہوش صاحب نے صدر اعظم سے جو تحریک کی تھی اس کا نتیجہ نکل آیا، توقع تو دو نے اضافے کی تھی لیکن فرمان پچھتر روپے کے اضافے کا ہوا ہے، میں تو اس کو بھی غنیمت خیال کرتا ہوں، بے چارے مولوی عبد الباری نے ساری زندگی خراب کر کے دکن سے قریب قریب بس اسی مقدار میں نفع اٹھایا، ان کی امداد کلدار کی شکل میں دو سو کی ہوگی گویا سوا دو سو سے زائد ہی سمجھیے، دیکھئے خوش ہوتے ہیں یا کیا، کل ہی اطلاع بھیجی ہے، مولانا ظفر احمد صاحب کے طویل مقالہ کا تصیر جواب نظر سے گذرا ہوگا، آپ کا طبی مقالہ بڑا پر مغز و معلومات بخش ہے، جزاکم اللہ عن خیر الجزاء اس سے فائدہ ہوا خصوصاً بہار کی تاریخ کے معلومات میں اضافہ ہوا، حسب ارشاد دوسری جلد جس کا ایک زائد نسخہ پڑا ہوا تھا، بھیج رہا ہوں، آپ کو اتنی فرصت اس قسم کے خرافات کے پڑھنے کی کہاں مل سکے گی لیکن خواب آوری کے لیے سرہانے رکھ لیجئے، تھوڑا تھوڑا کر کے دیکھ جائیے، تو میرا دل خوش ہوگا، ایک غرض بھی آپ سے کل ہی متعلق ہو گئی ا کھدی میں میاں مکارم کی بڑی لڑکی کی شادی آپ کے منجھلے ساڑھو مولوی نثار صاحب کے لڑکے سے ہوئی ہے، افتخار احمد نام ہے، میرے ساتھ بتلاش روزگار دکن بھی آئے تھے، ملازم ہو گئے تھے، مگر جیسی ملازمت چاہتے تھے ویسی نہ ملی، آخر چھوڑ کر بہار ہی چلے گئے اور وہاں کد و کاوش کے بعد ایک معقول صورت نکل آئی ہے، ڈیڑھ دو سال سے اسی جگہ پر ہیں، کا رنج اینڈ سٹری لے انسپکٹر ہیں، ملا جلا کر غالباً دو سو روپے مل جاتے ہوں گے، کل ان کا خط آیا ہے کہ کچھ لوگ جیسا کہ قاعدہ ہے ریشہ دوانیوں میں لگ گئے ہیں، مجھ سے خواہش کی ہے کہ

ڈاکٹر محمود صاحب (وزیر بہار) کے نام ایک سفارشی خط منگوا کر بھیج دوں، وہ میرے ہی نہیں آپ کے بھی عزیز ہیں، ان کی خالہ بنت ڈاکٹر صدیق مرحوم سے آخر آپ کی شادی ہوئی تھی، اس لحاظ سے گویا سٹرہ بیٹا آپ کے ہوئے، ممکن ہے اور رشتے بھی ہوں، بہرحال اس وقت تو اس خاکسار کی التجا کا لحاظ فرماتے ہوئے چند کلمہ خیر لکھ دیجئے، چاہے اس کو براہ راست ان کے نام پٹنہ بھیج دیجئے، پتہ ان کا یہ ہے: گلزار باغ، انیم کوٹھی، افتخار احمد انسپکٹر کارنج اینڈ سٹری، اور یہ مناسب نہ ہو تو میرے پاس روانہ فرما دیجئے، میں افتخار میاں کو بھیج دوں گا، لیکن اس میں طول عمل و طول وقت دونوں ہے، معلوم نہیں ان کی ضرورت کیسی ہے، ایک بڑا دردناک سانحہ یہ ہے کہ میرا بھانجا مولوی عبد العزیز خان بہادر کا لڑکا جو میاں نجم الہدیٰ کا داماد بھی ہے، اور سب ڈپٹی تھا، دانا پور میں تھا، اسی ہنگامے میں فوج کے ساتھ بھیجا گیا تھا، مسلمانوں کے ساتھ جو مظالم ہوئے تھے ان کو دیکھ کر اس کا قلب الٹ گیا، واقعی مجنون ہو گیا، کل خبر آئی ہے کہ کوٹھے سے اپنے آپ کو گرا دیا جس سے وہ زندہ بچ گیا ہے، تعجب ہے، جنون کے ساتھ اب چوٹ کی نئی آفت ہے، اس کے لیے دعا کیجئے۔

مناظر احسن گیلانی

۱۸ فروری ۱۹۴۷ء
حیدر آباد دکن
حول المسجد الاقصیٰ۔ جوار الجامعہ

سیدی الکریم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کل بدحواسی میں کارڈ لکھتے ہوئے ایک ضروری مضمون کا ذکر ہی رہ گیا، اسکی تلافی اس عریضہ سے کر رہا ہوں، یعنی مولانا عبید صاحب کے متعلق آپ نے جو سفارش فرمائی تھی اس کا جواب بہرحال مجھے دینا چاہئے تھا، اور وہ یہی ہے کہ اس سال تو سارا قصہ ختم ہو چکا ہے، اب تو کل ایک ماہ امتحان میں باقی ہے، کاش! مولانا دسمبر وغیرہ میں آپ کو یاد دلاتے تو یہ کوئی چنداں دشوار امر نہ تھا، اب آیندہ سال ہی کا انتظار کرنا پڑیگا، شاید میں

وعدہ بھی کر لیتا، لیکن جہانتک موجودہ حالات کا اقتضا ہے، اس وقت کے آنے سے پہلے جامعہ مجھے چھوڑ دیگی اور
میں اس کو چھوڑ دوں گا، میری مدت ملازمت ستمبر ہی میں ختم ہو رہی ہے، امتحانات کا نظم نومبر میں ہوتا ہے،
میری طرف سے بھی عذر ان کی خدمت میں پیش فرما دیجئے،

اسی سلسلہ میں آپ کو بھی مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ اچانک حیدرآباد کے حالات بدل گئے ہیں، اب
مسلمانوں کا حیدرآباد کم از کم اس وقت تو وہ نظر نہیں آرہا ہے، برادرم تقی الدین صاحب اور صدر اعظم موجود میں
کشمکش اندرونی طور پر تو شاید شروع ہی سے جاری تھی لیکن ظہور اس کا آخر جنوری میں ہوا، ایک اسکیم مجلس
مقننہ کی بنا کر وہ لے گئے تھے، جس پر صدر اعظم بہادر نے فرمایا کہ تم بڑی بڑی اسکیمیں صرف بنایا کرتے ہو اور کام
کرنے کا مطلق سلیقہ تم میں نہیں ہے، اس پر تقی کو کچھ ناگواری ہوئی جواباً کہا کہ کام تو خاکسار ضرور کرتا ہے،
مگر وہ الجھتے ہی رہے، اور آخر میں کہا کہ "آپ گھر بیٹھ جائیے"، جس کے معنی یہی تھے کہ استعفا داخل کیجئے،
بیچارے کیا کرتے استعفا داخل کر دیا، اس کے بعد درمیانی لوگ تگ و دو میں مصروف ہوئے، اور پہلے
قصہ کچھ ختم سا ہو گیا لیکن بعد کو مخالف پارٹی نے صدر اعظم صاحب کو ابھارا اور ایک طویل مسودہ
معافی نامہ کا لکھ کر تقی صاحب کے پاس صدر اعظم صاحب نے بھیجا کہ اس پر دستخط کر کے واپس کرو، انھوں نے
اس سے انکار کیا، تب جائزے دیدینے پر ان کو مجبور کیا گیا، اس وقت اخبار پیام کے اڈیٹر جناب قاضی
عبدالغفار صاحب پیش پیش ہیں، پندرہ سو روپیہ کی ایک جگہ اطلاعات عامہ کی نظامت پر
ان کی بحالی بھی ہو گئی ہے، اور تقی صاحب کی جگہ مقننہ میں ان ہی کو سرکاری طور پر نامزد
کر دیا گیا ہے، تقی صاحب ہوائی جہاز پر بیٹھ کر مالیر روانہ ہوئے، جہاں مسلمانوں کے مجاہد جنگ
اس وقت مقیم ہیں،

مسلمانان حیدرآباد اور حکومت سے کشمکش روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے، خدا ہی جانتا ہے
کہ کس وقت کیا صورت پیش آ جائے، دونوں طرف ضد پر اصرار ہے، ان امور کا تذکرہ میں نے

اس لیے بھی کیا کہ مسلم یونیورسٹی کے متعلق آپ کا جو خیال ہے کہ حیدرآباد میں مجھے توسیع مل جائیگی، جہانتک
میرا خیال ہے صحیح نہیں ہے۔ اس کا امکان تو ہے کہ میں کچھ کوشش و پیروی کروں تو سال دو سال کے لیے
اور حیدرآباد میں ٹک جاؤں لیکن یہ قطعی طور پر طے کیے ہوئے ہوں کہ اس معاملہ میں کسی سے کچھ
نہ کہوں گا، خود میرا دل حیدرآباد سے اچاٹ سا ہو گیا ہے، حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں،
اور میں بظاہر ان سیاسی شاطرانہ عیاریوں اور زد و برد میں کسی قسم کا کوئی حصہ بھی نہیں لے سکتا،
مجھ میں اس کا قطعاً کوئی سلیقہ نہیں ہے، تقی صاحب کے متعلق تو معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد کی پبلک
ان کو حکومت کے مقابلہ میں اپنا قائد بنانا چاہتی ہے، بھلا ان جھنجھٹوں سے مجھ عافیت طلب
انسان کو کیا سروکار؟ نیز سال ڈیڑھ سال کے بعد جو صورت پیش آنے والی ہے، اسی کو ابھی
کیوں اپنے سامنے نہ آنے دوں،

غرض یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ بہ نسبت گیلانی یا اسی قسم کے
زاویۂ خمول کے کچھ کام میں کر سکتا ہوں تو پھر وہیں مجھے بھیج دیجئے، یا پھر آپ ہی بتائیے کہ قبر میں
اترنے سے پہلے آخر چند سانس جو باقی ہیں، اس کو کیسے گذاروں، آپ سے دل کی بات عرض کرتا ہوں
دینی خدمات کا شعور دماغ میں جب سے پیدا ہوا ہے، ذہنی طور پر میرا دماغ ہمیشہ اس پہلو کو سوچتا
رہا ہے کہ ہندوستان کے غیر اقوام تک اسلام کو آگے بڑھانے کی کوئی صورت نکالی جائے،
میرا خیال ہے کہ موجودہ مسلمانوں کو زندہ کرنے کی کوشش کچھ لاحاصل سی کوشش ہے، ہاں! یہ
ممکن ہے کہ کوئی تازہ خون اسلام کی رگوں میں کسی راہ سے اگر آ جائے تو ممکن ہے کہ اسکی حرارت
سے ان پرانے تھکے ہوئے، اگھائے ہوئے مسلمانوں میں زندگی پیدا ہو، مگر براہ راست انکے
جگانے اور جھنجھوڑنے کے کام کو قریب قریب مردوں کو جگانے اور جھنجھوڑنے کے ہم معنی
سمجھ رہا ہوں، جب حکیم الامت کی اسی سال کی حکومت میں یہ سوئے رہے، اور کچھ ان کی سمجھ میں

نہ آیا کہ ان میں کون آیا اور کون ان کو چھوڑ کر چلا گیا، تو اب دوسروں سے یہ متاثر ہوں، میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی، یہ خیال تازہ دم فوج کے لانے کا دماغ سے اب بھی نہیں نکلتا، لیکن عمل کی کوئی صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی، بہار ہی میں ممکن تھا کہ مہیا ہو جاتے، لیکن اس کا ماحول قطعاً بدل گیا، اب تو اسلام سے یہ صوبہ بہت دور ہو گیا، مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علی گڈھ میں ہندوستان کے مختلف حصوں کے نوجوان جمع ہوتے رہتے ہیں، شاید وہاں کوئی جماعت ایسی مل جائے جو اس راہ میں آگے بڑھنے پر آمادہ ہو، حیدرآباد میں تو قطعاً اس کی صلاحیت نہیں ہے، یہاں کے لوگ قدرتاً یوں ہی سست، کاہل، عیش پسند ہیں، اور اس وقت تو یہ بھی بیمار ثانی بنتا چلا جا رہا ہے۔

عرض ضروری: آپ کا وقت قیمتی ہے، جانتا ہوں کہ اس قسم کے خرافات میں آپ کو مبتلا کرا بڑے کام سے ہٹا کر چھوٹے کام میں الجھانا ہے، جواب اس عریضہ کا آپ سے سننا چاہتا ہوں، دل کی ایک بات لکھ دی، اس کے لحاظ سے میرے لاحاصل وجود کا کوئی مطلب پیدا ہو سکتا ہو تو اس کا بس خیال کیجیے، اس سے زیادہ اور کچھ کہنا نہیں ہے۔ فقط والسلام

مناظر احسن گیلانی

میں نے کارڈ میں بھی شاید مطلع کیا تھا کہ مسلم یونیورسٹی سے ایک استفساری مراسلہ میرے پاس آیا تھا، اب معلوم ہوا کہ وہ آپ کی تحریک کا نتیجہ تھا، بظاہر آپ کے لکھنے کے بعد مجھ سے پوچھا گیا، جواب میں صرف اس سے مطلع کر دیا ہے کہ ستمبر میں میری مدت ملازمت ختم ہو رہی ہے۔

مطبوعات جدیدہ

اسلام اور تعمیر شخصیت: از میاں عبد الرشید صاحب، صفحات ۳۱۲، کتابت و طباعت بہتر، ناشر: ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور، قیمت؟

علمائے نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ تعمیر شخصیت کا مسئلہ زندگی کے اہم ترین مسائل میں ہے، اور موجودہ دور کے ماہرین نفسیات اس بات پر بہت زیادہ زور دینے لگے ہیں کہ تعمیر شخصیت کے لیے شعوری کوشش ہونی چاہیے، اس لیے کہ اس کے اثرات غیر معمولی ہوتے ہیں، مگر اب تک ان کے "فکر" کی رسائی یہاں تک نہیں ہو سکی کہ تعمیر شخصیت کی کوشش کن خطوط پر کیجائے، یہ بات بھی ان کے ذہن میں صاف نہیں ہو سکی ہے کہ وراثت اور ماحول کے مضر اثرات سے کس طرح دامن بچایا جا سکتا ہے، اور ان میں سے مفید اور کارآمد عناصر کو کس طرح چھانٹا جا سکتا ہے، یہ سوال بھی اہمیت رکھتا ہے کہ یہ کام انفرادی رائے پر چھوڑ دیا جائے، اور یا اس کے لیے کوئی اجتماعی کوشش کی جائے، اور یہ کوشش ایسی ہو کہ اس سے انسان کے محض جسم کے تقاضے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کی عقل اور روح بھی پروان چڑھے اور متاثر ہو۔

اسلام چونکہ خالقِ کائنات کا بھیجا ہوا ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی ہے، اس لیے دوسرے مسائل کی طرح تعمیر شخصیت کا بھی جو طریقہ اس نے تجویز کیا ہے اس میں نفسیات کی ان الجھنوں کا حل موجود ہے، اس میں شخصیت کی تعمیر اور انفرادی و اجتماعی کوششوں کے حدود بھی مقرر ہیں، اور جسم کے ساتھ عقل و روح کے تقاضوں کے پورا کرنے کے وسائل بھی موجود ہیں، وہ جسم، عقل اور روح کو نہ تو الگ الگ خانوں میں بانٹنے کا قائل ہے، اور نہ ان میں سے کسی کو نظر انداز

کرنے کا حامی ہے، بلکہ وہ ان میں خوشگوار امتزاج پیدا کرتا ہے، اس کتاب کے ذریعہ جناب میاں عبدالرشید صاحب نے انہی مسائل کی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وضاحت کی ہے، انداز بیان عالمانہ اور فلسفیانہ ہے، کتاب کے مطالعہ سے فکر و نظر کو روشنی ملتی ہے، ادارۂ ثقافت کی یہ کوشش قابل ستایش ہے۔

فاؤسٹ = از مولوی عبدالقیوم خان باقی مرحوم، صفحات ۲۴۸، کتابت وطباعت عمدہ، ناشر انجمن ترقی اردو، اردو روڈ، کراچی، پاکستان، قیمت للعہ

فاؤسٹ جرمنی کے مشہور فلسفی شاعر گوئٹے کا مشہور منظوم افسانہ ہے، اس کا ترجمہ دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہو چکا ہے، خود اردو میں ڈاکٹر عابد حسین صاحب نے ۱۹۳۱ء میں اس کا نثری ترجمہ کیا تھا، جو انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع بھی ہو چکا ہے، یہ اسی کا منظوم ترجمہ ہے، جو مولوی عبدالقیوم باقی مرحوم کی کوشش قلم کا نتیجہ ہے، غالباً ترجمہ مولوی عبدالحق مرحوم کی ایما سے ہوا تھا، مگر ان کی زندگی میں اسکی اشاعت کی نوبت نہیں آسکی، مرحوم نے اپنی وفات سے چند دن پہلے انجمن کے کارکنوں کو جو مسودات اشاعت کے لیے حوالہ کیے، ان میں یہ بھی تھا، انجمن ترقی اردو پاکستان کے کارکن قابل ستایش ہیں کہ انھوں نے اس ادبی امانت کو اہل علم تک پہنچانے کی کوشش کی۔

چین کے مسلمان = از گوپال متل، ضخامت ۴۸ صفحات، کتابت وطباعت عمدہ، ناشر نیشنل اکاڈمی، انصاری مارکیٹ دریا گنج، دہلی، قیمت ۸ر

گوپال متل صاحب روس، چین کے معاشی، ادبی اور داخلی مسائل کے بڑے واقف کار ہیں، اور وہ برابر ان مسائل پر لکھتے رہتے ہیں، یہ رسالہ چین کے مسلمان بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز ہے، اس کتابچہ میں چین کے مسلمانوں کے بارے میں بہت سے ٹھوس واقعات جمع کر دیے گئے ہیں،

ان کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ چین میں بھی مسلمانوں کے مذہب و اخلاق کے ساتھ وہی معاملہ ہو رہا ہے جو اس سے پہلے روس میں ہو چکا ہے، جس سے ان کا وجود و عدم وجود برابر ہو گیا ہے، دنیا کو روس و کمبوڈیا کی فکر تو لاحق ہے، مگر یہ کسی کو فکر نہیں کہ جہاں ایک ہزار برس سے مسلمان رہ رہے تھے، وہاں دس برس کے اندر ان کی تعداد ۳ یا ۵ کروڑ سے گھٹ کر ایک کروڑ رہ گئی ہے، یہ کتابچہ نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ ہر اس شخص کے پڑھنے کے لائق ہے جسے مذہب و اخلاق سے دلچسپی ہے اور وہ ساتھ ہی کمیونزم کو اس کے لیے سم قاتل نہیں سمجھتا،

انتخاب مکاتیب - از مولانا ہدایت علی جیل پوری مرحوم، ضخامت ۳۲۶، کتابت وطباعت معمولی، ناشر تصوف سوسائٹی، سندھ یونیورسٹی حیدرآباد، قیمت درج نہیں،

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب علم و عرفان کا خزانہ ہیں، ان کے مطالعہ سے لاکھوں انسانوں کو فائدہ پہنچا، ان کا جتنی بار بھی مطالعہ کیا جائے ان کی افادیت بڑھتی جاتی ہے، اور ان سے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے، ان کے تمام مکاتیب فارسی میں ہیں اور فارسی کا ذوق دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے، پھر بعض اصطلاحات کی وجہ سے خواص تک بھی ان سے پورا فائدہ نہیں اٹھا پاتے، مولانا ہدایت علی رحمۃ اللہ علیہ جو مجدد صاحب کے مکاتیب کا ترجمہ اردو میں کر چکے ہیں انھوں نے اہم مکاتیب کا خلاصہ بھی کر دیا ہے، جسے تصوف سوسائٹی سندھ نے شائع کیا ہے، دوسرے اداروں کے ساتھ ادارۂ الفرقان نے بھی اس سلسلہ میں بہت زیادہ کام کیا ہے، مترجم نے بعض مکاتیب کا خلاصہ اتنا مختصر کر دیا ہے کہ تبرک کے علاوہ ان سے کوئی افادیت باقی نہیں رہ جاتی،

نصیحت نامہ - از مولانا سید بدر عالم صاحب، کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۶۴، قیمت ۸ر، ناشر مکتبہ رشیدیہ مسجد بازار میاں چنوں۔ ملتان،

یہ نصیحت نامہ مشہور عالم مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی (نزیل مدینہ) کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے،

مولانا عرصہ سے علیل ہیں، رسالہ سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں، اس لیے اپنے احباب اور عام مسلمانوں کو نہایت سوز و اخلاص کے ساتھ ذکر الٰہی، اتباع سنت، بدعت سے اجتناب، نماز اور اصلاح معاشرت کے سلسلہ میں بہت سی قیمتی نصیحتیں کی ہیں، خاص طور پر اصلاح معاشرت پر جو کچھ لکھا ہے، وہ ہر مسلمان کے حرز جان بنانے کے لائق ہے،

گلبانگ - از مولوی حسن یحییٰ صاحب عندلیب میرٹھی، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۰۰
پتہ: علمی ادارہ ۳ راج گڑھ روڈ، لاہور، قیمت للعہ

یہ جناب عندلیب میرٹھی کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی تمام نظمیں سلاست و روانی کے ساتھ ندرت بیان اور تخیل کی پاکیزگی اور بلندی کا نمونہ ہیں، خاص طور پر صبح انقلاب، بغاوت، ایک مسلمان خاتون سے، مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی، اصنام و بتان وغیرہ ان کی شاہکار نظمیں ہیں، ان نظموں میں جوش کی نظموں کا شکوہ اور اقبال کی حکمت و دانائی کی جھلک ملتی ہے، شروع کتاب میں مصنف کے قلم سے ایک پُرمعلومات مقدمہ بھی ہے، امید ہے کہ ان کا مجموعہ اہلِ ذوق دلچسپی سے پڑھیں گے۔

ماہ تمام - از جناب قمر مراد آبادی، کتابت و طباعت بہتر، صفحات ۱۶۸، قیمت تے
پتہ: توقیر بن قمر، قاضی ٹولہ، مراد آباد، پاکستان میں منظر الاسلام کوارٹرز، محمود آباد کالونی، کراچی،

قمر مراد آبادی جگر مراد آبادی کے ہم وطن اور دوست تھے، جگر کی طرح وہ بھی غزل کے شاعر ہیں، ان کی غزلیں لفظی و معنوی خوبیوں کا اچھا مرقع ہیں، الفاظ کی بندش اور ترکیبوں کی چستی کے ساتھ عزم و یقین اور درد و سوز کی کیفیت اور عشق و جنون کی واردات نے ان کی شاعری کو بڑی بلندی اور زندگی عطا کر دی ہے، امید ہے کہ ان کا کلام اہل ذوق میں مقبول ہوگا،

م، ج،